ماہنامہ
مجلہ
حیاتِ نو
بلریاگنج

مقاصد
انجمن طلبہ قدیم

(۱) فارغین جامعہ کو مقاصد جامعہ کے حصول کے لئے منظم کرنا۔

(۲) انکی صلاحیتوں کو ان مقاصد کیلئے زیادہ سے زیادہ مفید اور موثر بنانے کی تدابیر اختیار کرنا۔

(۳) جامعہ کی تعمیر و ترقی میں ذمہ داران جامعہ کے ساتھ تعاون کرنا۔

(۴) مقاصد جامعہ کے حصول کیلئے دیگر دینی و تعلیمی اداروں سے ربط رکھنا اور انکا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ (دستور انجمن طلبہ قدیم ۲)

ماہنامہ حجاب رامپور کی ایک خصوصی اشاعت

مائل خیرآبادی فکروفن نمبر

ریسرچ اسکالر توحید انصاری ایم۔ اے (گولڈ میڈلسٹ) ایل۔ ایم۔ یو نے ایک مقالہ بعنوان "محمد اسحاق مائل خیرآبادی حیات اور نثری کارنامے"

برائے پی ایچ ڈی ڈگری زیر نگرانی

ڈاکٹر احمد سجاد ایم۔ اے ڈی لٹ یونیورسٹی پروفیسر شعبۂ اردو رانچی یونیورسٹی رانچی بہار پانچ برس کی کوشش وکاوش کے بعد ترتیب دے کر ۱۳ نومبر ۱۹۹۱ء کو ڈگری حاصل کی۔

یہی عظیم وضخیم مقالہ مائل خیرآبادی فکروفن نمبر کے نام سے منظر عام پر

- مائل خیرآبادی کی حیات اور انکے نثری کارناموں کی دستاویز
- ایک ریسرچ اسکالر کی پانچ سالہ کاوشوں کا کامیاب نتیجہ
- مائل خیرآبادی فکروفن نمبر سنجیدہ ادبی تنقید کا مرقع
- مائل خیرآبادی فکروفن نمبر ایک اسکالر کے دعوتی وتحریکی قلم کا عظیم کارنامہ

مائل خیرآبادی فکروفن نمبر بڑی آب وتاب، بہترین کتابت وطباعت، سادہ و پرکار ٹائٹل کے ساتھ دسمبر ۱۹۹۲ء میں منظر عام پر

تمام انفرادی خریداروں اور ایجنسیوں کو V P یا رجسٹرڈ بھیجا جائے گا۔

حجاب نواز اور مائل نواز حضرات مقامی ایجنٹ کے یہاں اپنی کاپی جلد محفوظ فرمالیں یا براہ راست ہمیں لکھیں۔

ڈیمائی سائز $\frac{23 \times 36}{16}$ معمولی ایڈیشن قیمت = ۲۵/- روپے

اعلیٰ ایڈیشن قیمت = ۴۰/- روپے

پتہ:- منیجر ماہنامہ حجاب رامپور (یوپی) پن نمبر 244901

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریاگنج

جلد: ۷ جمادی الاول ۱۴۱۳ھ نومبر ۱۹۹۲ء شمارہ: ۱۱

بدل اشتراک

سالانہ زرتعاون:	۵۰ روپے
طلبہ کیلئے:	۴۰ روپے
خصوصی زرتعاون:	۱۰۰ روپے
اعزازی زرتعاون:	۱۰۰۰ روپے
غیر ممالک سے زرتعاون:	۲۵ امریکی ڈالر
قیمت فی شمارہ:	۵ روپے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپکی مدت خریداری ختم ہوچکی ہے۔ لہذا چندہ جلد روانہ فرمائیں۔

مدیر مسئول

نور محمد فلاحی

مدیر

محمد اسمٰعیل فلاحی

معاون مدیر

عبدالبر اثری فلاحی

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مجلہ "حیات نو" جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڑھ یوپی ۲۷۶۱۲۱

نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ

کتب خانہ محمد اشفاق عالم فلاحی جامعۃ الفلاح

نقوش حیات نو

		صفحہ
• اداریہ		
پھر یادِ بہار آئی	محمد اسماعیل فلاحی	۳
• بحث و نظر		
دینی مدارس کا جائزہ، ان کے نظام تعلیم اور طریقۂ تعلیم پر ایک نظر۔	مولانا داؤد اکبر اصلاحی مرحوم	۹
قوم عاد کے آثار دریافت کر لیے گئے۔	ثروت جمال اصمعی	۲۲
مختلف مکاتب فکر کے نمائندہ مدارس اپنے اغراض و مقاصد کے آئینے میں۔	عبد البر اثری فلاحی	۱۷
• تعلیم و تعلم		
کچھ طریقۂ تحقیق کے بارے میں۔	عین الحق قاسمی	۳۱
• شعر و نغمہ		
ترانہ برائے طالبات جامعۃ الفلاح	شبنم سبحانی	۳۲
غزلیں	ابوالمجاہد زاہد، ایم اے شمسی	۳۹-۴۱
• اخبار علمیہ		
ہالینڈ کی زبان میں ترجمہ قرآن۔ جدید انسائیکلوپیڈیا کی تدوین۔		۴۰
ملک کے ۴۰ فیصد سکنڈری اسکولوں میں سائنسی تجربہ گاہ نہیں۔	ابن المعلم فلاحی	۴۱
• جامعہ کے لیل و نہار		
کلیۃ البنات جامعۃ الفلاح میں تدریسی تربیتی کیمپ،		۴۴
تقسیم تمغہ جات پانچواں اجلاس عام،	محمد اسمعیل فلاحی	۴۷

پھر یادِ بہار آئی

محمد اسمعیل فلاحی

انجمن طلبہ قدیم کے پانچویں اجلاس عام کے موقع پر جامعہ کے آنگن میں ہم اپنے بھائیوں اور معزز مہمانوں کا استقبال کرتے ہیں ہماری آنکھیں ٹھنڈی اور دل مسرت سے معمور ہیں کیا ہوا ہمارے ہاتھ اگر خالی ہیں، کوئی بات نہیں اگر ہمارے پاس مہمان خانہ یا مہمانوں کیلئے کوئی معقول انتظام نہیں اور پرواہ نہیں اگر ہماری جامعہ کے راستے کہکشاں سے خالی ہیں ہم نے اپنی پلکیں بچھا دی ہیں اور دل و نگاہ کو فرش راہ کر دیا ہے ہم اپنے مہمانوں کو آنکھوں میں بسائیں گے اور دلوں میں سجائیں گے۔

ہمارے یہ مہمانان گرامی دو طرح کے ہیں ایک تو ہمدردان جامعہ علماء اور اساتذۂ فن ہیں جنکا اس ویرانے میں کھینچ کر آنا دینی محبت اور دردمندی کے سوا کچھ نہیں یہ آئے ہیں ملک و ملت کی تعمیر میں دینی مدارس کے کردار کو حسب سابق موثر اور فعال بنانے کی اسکیمیں سوچنے، انہیں ایک لڑی میں پرو کر ناقابل تسخیر قوت میں تبدیل کرنے کی ممکنہ راہیں تلاش کرنے اور ان جراثیم کا علاج ڈھونڈنے جو ان کی جڑیں اندر ہی اندر کھوکھلی کر رہے ہیں ان حضرات کا آنا مبارک،

دوسرے وہ ابنائے قدیم ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کے انتہائی قیمتی ایام یہاں گذارے ہیں جن کی کتنی یادیں اس سے وابستہ ہیں جو اس کے کتنے رازوں کے امین اور جنکا پسینہ اس کی تعمیر و ترقی میں شامل ہے یہ ہال، یہ کمرے اور یہ بلند مینار سب شاہد ہیں کہ انہوں نے اپنے وقتوں میں کتنے شوق اور محبت سے اینٹیں اور مسالے کی کڑھیاں ڈھوئی ہیں، آج انہیں بہت کچھ یاد آتا ہوگا، بیتے ہوئے لمحات سینہ پر نشتر چلاتے ہوں گے۔ وہ نہ معلوم کتنی بار اس کی آغوش میں روئے اور ہنسے ہیں وہ سوچتے ہوں گے کاش زمانہ ماضی کی طرف پلٹ جاتا اور گردش ایام پیچھے کی طرف مڑ جاتی اور وہ بھی ان کے ساتھی ہوتے، اور مولانا جلیل احسن ندوی اور مولانا شہباز اصلاحی ہوتے، ماسٹر منظور الاحسن، ماسٹر اکرام الدین، ماسٹر افضال مشہدی اور ماسٹر عبد اللہ ہوتے، آہ اب یہ کہاں ملیں گے ان میں سے اکثر مرحوم ہو گئے جو بچے نقل مکانی کر گئے، لیکن ہاں وہ دیکھئے مولانا ابوبکر اصلاحی مولانا عبد الحسیب اصلاحی، مولانا شبیر اصلاحی، مولانا نظام الدین اصلاحی اور مولانا صغیر احسن اصلاحی اور مولانا عنایت اللہ سبحانی سامنے ہیں اور دیکھئے یہ مولانا سلامت اللہ اصلاحی، مولانا

رحمت الاشرفی خلاجی اور مولانا عمران خلاجی ہیں ان سے بیٹھے پیاس بجھائیے۔

مجھے ان دونوں طرح کے بہانوں سے دو باتیں کرنی ہیں اجلاس کا مرکزی موضوع ملک وملت کی تعمیر اور دینی مدارس ہے اس سلسلے میں چند باتیں ہمارے سامنے بطور اصول رہنی چاہئیں۔

۱۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جب آپ مرض کا علاج ڈھونڈنا چاہتے ہیں تو اس معاملے میں آپ کو سنجیدہ ہونا ہوگا، شترمرغ کی پالیسی اختیار کرکے اور ریت میں سر چھپا کر اپنے کو محفوظ سمجھنا خطرناک ہے علاج کے لئے سب سے پہلی چیز بیماری کا احساس اور علاج کی فکر ہے، بیماری کا انکار یا تشخیص پر جھنجھلاہٹ مرض کے خطرناک حد تک بگڑنے کی علامت ہے، مرض کے ہر پہلو کا مطالعہ تیز ہر چیز کا ایکسرے اور ٹیسٹ ہونا چاہئے۔ ۲۔ مدرسہ اینٹ اور پتھر کا نام نہیں ہے مدرسہ دراصل طلبہ اور اساتذہ سے عبارت ہے انتظامیہ اور سرپرستوں کے رول کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ان چاروں کی الگ الگ ذمہ داریاں ہیں اور ہر ایک اپنی ذمہ داری کے بارے میں عنداللہ مسئول اور جوابدہ ہے۔ آج ہر ایک اپنی ذمہ داری دوسروں پر ڈال کر اپنے کو بری الذمہ سمجھ لیتا ہے مدارس کا صالح کردار اگر بحال کرنا ہے تو ان چاروں کو اپنے بارے میں غور کرنا ہوگا غور وفکر کے چند پہلو یہ ہو سکتے ہیں۔

الف: سرپرست اپنے بچوں کو دین کا سپاہی اور مجاہد بنانے کے لئے بھیجتے ہیں یا کوئی دنیاوی غرض سامنے ہوتی ہے مثلاً انگریزی اور سرکاری اداروں کے لیے ان مدارس کو سہل ترین اور مختصر ترین زینہ سمجھ کر یا خلیجی ممالک سے دولت کے حصول کو مقصود بنا کر اپنے بچوں کو داخل مدرسہ کرتے ہیں، یہ بات بھی دیکھنے کی ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ اپنے ذہین وفطین صحت مند اور توانا بچے کو انجینئرنگ اور میڈیکل کے لئے الگ کر لیتے ہوں اور کمزور، لاغر، لنگڑے، لولے، غبی اور کند ذہن بچے کا مدارس کے لئے انتخاب کرتے ہیں، اور کہیں ایسا تو نہیں کہ ایک بار داخل کرکے چین سے بیٹھ رہتے ہوں اور برا بھلا سب مدرسہ پر ڈال دیتے ہوں اور خود فکر نہ ہوتی ہو کہ بچہ بن رہا ہے یا بگڑ رہا ہے اس کے ہاتھ میں کس قسم کی کتابیں ہیں کن لوگوں کے ساتھ اس کا اٹھنا بیٹھنا ہے، کہاں جاتا ہے اور آتا ہے بلکہ اس کے بجائے بچہ گھر پر جائز وناجائز خواہش کی تکمیل کا ذریعہ اور اس کی شرارتوں کے پشت پناہ بنتے

ہوں اور سمجھتے ہوں وہ ولی بن جائیگا۔

(ب) مجلس انتظامیہ مدرسہ کے نظم کو چلانے اور اسے درست رکھنے کا ایک ذریعہ ہوتی ہے اس کیلئے غور وفکر کی بات یہ ہے کہ وہ طلبہ اور اساتذہ کو ممکنہ سہولتیں فراہم کرتی ہے یا نہیں، اساتذہ کی تقرری میں صلاحیت وصالحیت دیکھی جاتی ہے یا اقربا پروری کام کرجاتی ہے طلبہ و اساتذہ کے ساتھ احترام وانسانیت کا سلوک ہوتا ہے یا سرمایہ دار ومزدور اور آقا وملازم کا ایسا تو نہیں کہ اقتدار کی رسہ کشی ہو اور طلبہ واساتذہ کو استعمال کیا جاتا ہو۔ اور کہیں ایسا بھی تو نہیں کہ مناسب سہولتیں نہ پانے کے نتیجے میں اساتذہ مطالعہ وتیاری کے اوقات دوسری چیزوں میں صرف کرنے پر مجبور ہوں۔

(ج) طلبہ کے سوچنے کا انداز یوں ہو سکتا ہے کہ سب سے پہلے وہ اپنی نیتوں کا جائزہ لیں۔ کیوں انہوں نے اس مقدس وادی کا رخ کیا ہے دین کی خدمت اور آخرت کا اجر مقصود ہے یا یہ وادی مقدس سرکاری مدارس یا خلیجی ممالک کیلئے زینہ ہے، مطالعہ اور پابندی کے ساتھ درجہ میں حاضری ہوتی ہے یا یونہی جب جی میں آیا چلے گئے جب چاہا چپکے سے درجے سے کھسک گئے یا گھر ہی میں بیٹھے رہے امتحان میں پاس ہونے کے لئے پرانے نوٹس کافی ہیں، کچھ کام نقل سے چل جائیگا ان کے اوقات اپنی اصلاح وتربیت اور علمی تیاری میں صرف ہوتے ہیں یا ہوٹلوں کے سامنے، فضول گپوں میں یا بلا مقصد تنقید میں کھانے کی خرابی یا کسی سہولت کے نہ ملنے پر دھرنا دیے ہوتے ہیں یا مطالعہ کے چھوٹ جانے اور نماز میں پیچھے رہ جانے پر ادب ووقار اور آدمی کا ذوق و شوق علم کا پہلا زینہ ہے، ان کے ادب ووقار کا کیا حال ہے، اساتذہ کے ساتھ ان کا کیا معاملہ ہے اور ایک خاص بات یہ کہ وہ طالب علم بن کر آئے ہیں یا ناظم وصدر مدرس بن کر اور علم دین کا جذبہ انہیں لایا ہے یا سیاست کرنے کا شوق

(د) :- اساتذہ ہی دراصل اس چمن کے اصلی مالی اور اس گاڑی کے حقیقی ڈرائیور ہیں۔ وہ جیسے ہونگے جیسا چاہینگے اس چمن کے پھول پودے ویسے ہی تیار ہونگے اس چمن کی دیکھ ریکھ اور نگہداشت اگر قاعدے سے ہوئی تو پھر اس کے پھولوں سے ایک دنیا معطر ہوگی ورنہ یہ پھول کانٹے بن جائیں گے دنیا چمن سے لہولہان ہوگی واقعہ یہ ہے کہ اس چمن کو بنانے یا بگاڑنے میں

انجیں کا کردار بنیادی ہوتا ہے اُنکے رول کو کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا با صلاحیت
اور باکردار استاد بڑی حد تک دوسری کمیوں کی تلافی کر لیتا ہے وہ ایک شمع کی طرح ہے جب
تک شمع جلتی اور پگھلتی رہے گی پروانے اس پر گرتے رہیں گے اس کے اندر جیسی تڑپ ہوگی جتنا
سوز ہوگا جس قدر تپش ہوگی اسی حساب سے وہ اس کے بچوں میں منتقل ہوگی، دینی مدارس کے
اساتذہ کی ذمہ داری عام اساتذہ سے بڑھ کر ہے وہ معلم بھی ہوتے ہیں اور مربی بھی تربیت کا معاملہ
تعلیم سے زیادہ پیچیدہ اور مشکل ہوتا ہے انہیں انجکشن بھی لگانے ہوتے ہیں اور میٹھی گولیاں
بھی کھلانی پڑتی ہیں وہ اپنے کو ملازم کبھی نہیں سمجھتے بلکہ یہ ان کی زندگی کا مشن اور ان کی آرزوؤں اور
تمناؤں کا منتہائے مقصود ہوتا ہے۔ ان کے اندر مشنری روح ہوتی ہے طلبہ کے ساتھ ان کا گہرا
پاکیزہ روحانی رشتہ ہوتا ہے طلبہ کی تکلیف ان سے دیکھی نہیں جاتی ان کی اصلاح کی فکر انہیں
بے چین کئے رکھتی ہے۔

اساتذہ کی خود احتسابی یوں ہو سکتی ہے کہ سب سے پہلے وہ اپنا جائزہ لیں کہ اس کام
میں خدا کی خوشنودی مقصود ہے یا دنیا طلبی پیش نظر ہے پھر دیکھیں کہ کیا درجہ میں پوری تیاری کے
ساتھ پابندی سے وقت پر آتے ہیں یا ایسا نہیں ان کے باہمی تعلقات کیسے ہیں؟ ایسا تو نہیں ہے کہ
اساتذہ اور اساتذہ میں، اساتذہ اور انتظامیہ میں تال میل ہونے کے بجائے عدم تعاون کی فضا ہو
اور مختلف گروپ طلبہ کا استحصال کرتے ہوں۔ نرمی و شفقت، حلم و بردباری، عفو و درگزر اور
انصاف کی ٹھنڈک طلبہ کو حاصل ہے یا دل شکنی، استہزاء و تمسخر، تعصب اور عدم مساوات کے
کڑوے کسیلے پھل ان کو ملتے ہیں جس سے ان کی خودی مجروح ہوتی ہے اور ضمیر مردہ ہوتا ہے۔ طلبہ کے
ساتھ حاکم و محکوم اور "ہٹو بچو باادب باہوشیار" کا انداز ہے یا بیٹوں کا سا پیار محبت کا معاملہ۔ طلبہ
کو تکلیفوں میں دیکھ کر کبھی آنکھیں بھی بھیگتی ہیں اور ان کی اصلاح کی فکر میں کبھی راتوں کی نیند بھی غائب
ہوتی ہے یا ان چیزوں کا سرے سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ایسا تو نہیں کہ عبادات میں ذوق و شوق اور
حسن عمل کی نصیحت ہو اور خود بے عملی یا بد عملی کا مظاہرہ ہو۔

ع ۳ مدارس میں جاری نصاب تعلیم اور طرز تدریس دونوں سنجیدہ غور و فکر کے طالب ہیں یونانی
فلسفہ اور علم کلام کے تابوت کو ہم کب تک ڈھوتے اور مغربی علوم کو کب تک شجر ممنوعہ قرار دیتے

رہیں گے۔ فقہ اور نحو صرف کے رائج طریقے بھی کچھ زیادہ مفید نہیں رہے۔ ایسا نصاب تعلیم اور
طرز تدریس وقت کی ضرورت ہے جو دور جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو جس میں قرآن کو مرکزی
نقطہ کی حیثیت حاصل ہو اور دیگر سارے علوم اسی کے گرد گھومیں، قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیم
گروہی عصبیت سے بلند ہو کر دی جائے جس کے بعد طالب علم جاہلی تعصب کی تنگنائے سے نکل
کر آزاد فضا میں پرواز کر سکے، اس نصاب میں تکنیکی تعلیم کا بھی لحاظ ہو تاکہ طالب علم اپنی معاشی ضروریات
کی تکمیل کے ساتھ دین کی خدمت کر سکے۔

ع ۴ کہا جاتا ہے کہ مدارس کے معیار میں گراوٹ کا ایک اہم سبب رزق حلال کے لئے عدم اہتمام
ہے پیسہ کہاں سے آتا ہے۔ کون دیتا ہے اس کی کمائی حلال ہے یا حرام ان پہلوؤں پر اب توجہ کم
دی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ حرام کی آمیزش سے تیار گوشت پوست کے اندر وہ بلند کرداری اور حقانی
شان کہاں سے پیدا ہو سکتی ہے جو کبھی ان اداروں کی شان رہی ہے۔

ابنائے قدیم! بڑی دور سے بڑے ارمانوں کے ساتھ۔ شوق کے قدموں پر چل کر آئے ہیں
وہ شوق سے جامعہ دیکھیں۔ ایک ایک پتہ اٹھیں پلٹیں اور آتش شوق بجھائیں۔ جامعہ کو بھی یہ
حق ہے کہ ان کا حال دریافت کرے ان سے پوچھے کہاں تھے کیسے تھے۔ جامعہ نے تیار
کر کے جس معرکہ خیر و شر میں بھیجا تھا اس میں پسپا تو نہیں ہو گئے۔ ہمت تو نہیں ہاری۔ رخ بدلا
ہو، منزل بھول تو نہیں گئے یاد رکھئے یہاں کا ذرہ ذرہ آپ سے پوچھنے کا حق رکھتا ہے اور پوچھے گا
کہ مقاصد جامعہ سے کتنی ہم آہنگی باقی ہے۔ اعلائے کلمۃ اللہ کا کتنا جذبہ دلوں میں موجزن ہے اور
سنت رسول کا کتنا پاس ہے۔ یقیناً آپ جامعہ کے ارمانوں پر پانی نہیں پھیریں گے۔

انجمن کا یہ اجلاس محفل عیش و طرب نہیں مقاصد جامعہ کی تکمیل کی جانب ایک
پیش رفت ہے۔ انجمن نے روز اول سے ان کے حصول میں ہر طرح کا تعاون دیا ہے۔ ذمہ داران
جامعہ اس کے معترف اور گواہ ہیں انجمن فارغین کی صلاحیتوں کو ضائع ہونے سے بچانے اور انہیں
اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے استعمال کرنے کی کوشش کے ساتھ مدارس دینیہ کو ملک و ملت کی تعمیر
میں زیادہ فعال بنانا چاہتی ہے۔ یہ اجلاس بھی اسی سلسلے کی ایک سنجیدہ کوشش ہے۔ انجمن کے

بارے میں استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ مولانا محمد شہباز صاحب اصلاحی کا گزشتہ اجلاس عام کے موقع پر یہ بیان کتنا مبنی بر حقیقت ہے کہ یوں تو کم و بیش سبھی مدرسوں میں طلبہ قدیم کی انجمنیں قائم ہیں لیکن بیشتر بس نام کی ہیں۔ مدرسہ کے کسی بڑے جلسہ کے وقت آنے والے طلبہ مل بیٹھتے ہیں اور پھر اپنے اپنے مقام پر چلے جاتے ہیں۔ کوئی مستقل پروگرام نہیں چلتا۔ لیکن الحمد للہ آپ کے یہاں ایسا نہیں ہے میری معلومات کی حد تک آپ کی انجمن طلبہ قدیم شاید واحد انجمن ہے جو مستقل پروگرام رکھتی ہے۔ مادر علمی سے قلبی تعلق رکھتی ہے۔ وہاں کے ذمہ داروں کے خلاف محاذ بنانے کے بجائے تعاون کرتی ہے۔ اپنے پیش رو اور پس رو ساتھیوں کی خبر گیری کرتی اور ممکن تعاون کرتی ہے۔ یہ میرے خیال میں ہر اس شخص کیلئے جو جامعہ سے قلبی لگاؤ رکھتا ہے۔ انتہائی خوشی کی بات ہے آپ کی انجمن یک فعال متحرک اور سرگرم انجمن ہے۔ میں آپ کو کیا پیغام دوں میں خود آپ کی سرگرمیوں سے اپنے دل کی بجھتی ہوئی حرارت کو بچانے میں مدد لیتا ہوں۔ بس علامہ شبلی کی زبان میں اتنا یہ کہہ سکتا ہوں ع

کئے تھے ہم نے بھی کچھ کام جو کچھ ہم سے بن آئے ۔ یہ قصہ جب کا ہے، باقی تھا جب عہد شباب اپنا
اور اب تو یہ ہے یہ، جو کچھ امیدیں ہیں وہ تم سے ہیں ۔ جواں ہو تم لب بام آچکا ہے آفتاب اپنا

اللہ تعالیٰ آپ کو اس لائق بنائے کہ میری اور میرے جیسے بہت سے لوگوں کی امیدیں جو آپ سے وابستہ ہیں وہ پوری ہوں۔ آپ سب کے سب علم و عمل اور اخلاق و شرافت کے افق پر آفتاب و ماہتاب بنکر روشن ہوں۔ جامعۃ الفلاح ہی نہیں پوری ملت کی کشتی کو آپ بھنور سے نکالنے میں پورے طور پر مددگار ثابت ہوں اور اپنے آقا و مولیٰ کے حضور میں بامراد اور سرخرو قرار پائیں

(حیات نو مارچ اپریل ۱۹۹۰ء)

اہم خریداران

وہ خریدار جنکا زر تعاون ختم ہو گیا ہے۔ وہ فوراً آئندہ کیلئے زر تعاون روانہ فرمائیں ورنہ پرچہ انکے نام بھیجنا بند کر دیا جائے گا۔

اسی طرح ایجنٹ حضرات بقایا روانہ کریں ورنہ ایجنسی بھی بند کر دی جائے گی۔

مینیجر

مولانا داؤد اکبر اصلاحی ؒ

دینی درسگاہوں کے "نظام تعلیم" اور طریقہ تعلیم پر ایک نظر

علمی حلقوں کے لئے محترم مولانا داؤد اکبر صاحب اصلاحی ؒ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ موصوف جہاں قرآنیات کے ایک زبردست عالم اور رمز شناس تھے۔ وہیں انھیں فن تعلیم اور اداروں کے نظم و نسق میں غیر معمولی درک حاصل تھا۔

مولانا مرحوم کا یہ بہت پہلے کا سپرد قلم کیا ہوا زیر نظر مضمون ان کے کاغذات میں دبا ہوا تھا یہ ہمیں ان کے لائق اور فاضل نواسے جناب مولانا محمد عارف عمری صاحب فیض دار المصنفین اعظم گڈھ کے تعاون سے حاصل ہو سکا ہے۔ جسے ہم موصوف کے شکریہ کے ساتھ نذر قارئین کر رہے ہیں۔

ادارہ

یوں تو جتنی دینی درسگاہیں ہیں سب ہی اپنے طور پر کام کر رہی ہیں بظاہر کسی کو بھی اپنے کاموں سے متعلق بے اطمینانی نہیں ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو اسلامی قلعہ کا نام دیا جا رہا ہے اور ان کے فضلاء و فارغین کو اسلام کا سپاہی سمجھا اور کہا جا رہا ہے، لیکن یہ باتیں بڑی حد تک بناوٹی اور حقیقت سے دور ہیں کیونکہ ان کا نظام تعلیم وقت کی ضروریات کا متحمل نہیں ہے اور نہ ان میں اسکی صلاحیت ہے کہ اس سے ایسے فضلاء تیار ہوں جو کامیاب طور سے یورپ کے پھیلائے ہوئے زہر کا تریاق بہم پہنچا سکیں اور قرآنی نظریات کی صحیح طور سے ترجمانی کر سکیں، ممکن ہے ارباب مدارس کو اپنے مدارس کے اسلامی قلعے ہونے پر اصرار ہو اور وہ اپنا خیال بدلنے پر راضی نہ ہوں اور ان سے اس باب میں سجدہ سہو کرنے پر اصرار بھی نہ کیا جائے

چاہئے۔ لیکن کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ان درسگاہوں کی حیثیت دنیا کی نگاہ میں یتیم خانوں کی سی ہو کے رہ گئی ہے؟ کیا اسے جھٹلایا جا سکتا ہے کہ ان مدارس کے سامنے کوئی واضح مقصد نہیں رہ گیا ہے جس کے لئے وہ جد وجہد کرتے ہوں اور جو ان کا اوڑھنا بچھونا ہو؟ اور کیا اس کی تردید کی جا سکتی ہے کہ ان کے اکثر فضلاء جنھیں اسلام کا سپاہی کہا جاتا ہے بس غیر ضروری مسائل میں الجھنا ہی ان کا طرۂ امتیاز رہ گیا ہے؟ اور کیا یہ غلط ہے کہ ان کے مناظروں اور مناقشوں کے سبب فوجداریاں تک ہو جایا کرتی ہیں اور کیا اسے رد کیا جا سکتا ہے کہ ان کے اندر اخلاق و کیرکٹر کی جو بلندی ہونی چاہئے تھی وہ اس سے خالی ہیں۔ یہ ساری افسوسناک باتیں ان لوگوں میں پائی جا رہی ہیں جنھیں دوسروں کے لئے حسنِ عمل اور حسنِ کردار میں نمونہ ہونا چاہئے تھا اور جن کا وظیفہ ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنا اور ایک کلمہ پر تمام مسلمانوں کو جمع کرنا تھا لیکن افسوس وہ اپنی یہ ذمہ داری بھول گئے اور خود باہم دست بگریباں ہیں۔ نوبت بایں جا رسید کہ یہ کسی مورچہ پر متفق ہو کر خدا کے باغیوں کے مقابل محاذ نہیں قائم کر سکتے۔ بالفرض تھوڑی دیر کے لئے اگر ایسا ہو بھی جائے تو مذہبی گروہ بندی کا زہر ان کے ذہنوں میں اس طرح بس چکا ہے کہ پہلے ہی ہلہ میں ان میں اختلاف پھوٹ پڑے گا۔ ممکن ہے اس کے اسباب و وجوہ کسی کے یہاں کچھ ہوں اور کسی کے یہاں کچھ، لیکن ہمارے نزدیک اس صورت حال کے پیدا کرنے میں مروجہ نظام تعلیم اور اس سے زیادہ طریقہ تعلیم کو بڑا دخل ہے، صورت حال یہ ہے کہ دینی تعلیم کے ادارے الگ الگ جماعتوں کے نام سے چل رہے ہیں ہر ایک مخصوص قسم کے افکار کا علمبردار ہے اور سب میں جماعتی عصبیت بری طرح گھر کئے ہوئے ہے۔ کوئی شافعی مکتب فکر کا اسکول ہے تو وہاں فقہ حنفی کی خیر نہیں ہے اور اسی کے مقابل حنفی مکتب فکر کے اسکول میں فقہ شافعی کی بخیہ ادھیڑی جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلباء کی ذہنیت مسموم ہو جاتی ہے اور وسعت و رواداری کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے سے محبت کے بجائے نفرت دلوں میں بیٹھ جاتی ہے اور حق و صواب کو اپنے ہی مسلک کے اندر محدود سمجھنے

کا روگ پیدا ہو جاتا ہے جس کے افسوسناک نتائج نگاہوں کے سامنے ہیں مدارس اسلامیہ کی موجودہ زبوں حالی دیکھ کر عقل چکرا جاتی ہے کہ الٰہ العالمین یہ کیا ہو رہا ہے ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ یہ دینی مراکز علم و عرفان کے گہوارے ہوتے اور ان سے فارغ ہونے والے حق و صداقت کے علمبردار بنتے اور شانہ سے شانہ ملا کر خدا کے آخری پیغام کو دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچاتے اور اخلاق و کردار کا ایسا نمونہ پیش کرتے کہ دنیا اسلامی اخلاق اور دینی رنگ میں رنگ جانے کو اپنے لئے سعادت تصور کرتی لیکن "چراغ تلے ہی اندھیرا" کے بمصداق خود ان مدارس کے اکثر فضلاء بھی شریعت کے تقاضوں سے خالی ہو چکے ہیں اور ایسے مقام میں پہنچ گئے ہیں کہ ان پر تمسخر کیا جائے۔ کونسی کمزوری ہے جس سے یہ محفوظ ہیں پھر بھی ارباب مدارس اسلامیہ کی گراں گوشی میں کچھ فرق نہیں آ رہا ہے علماء مدارس فیل ہو چکے ہیں اور بغیر ان میں جان ڈالے کام کے آدمی اب ان سے نہیں پیدا ہو سکتے، آج ایسے علماء کے پیدا کرنے کی مطلق ضرورت نہیں جو فروعی مسائل کی مردہ ہڈیاں اکھیڑیں اور نہ ایسے لوگوں کی ضرورت جو دور از کار مباحث میں اپنی ذہنی و دماغی قوتیں صرف کریں بلکہ ایسے فضلاء کی ضرورت ہے جو اس عقلیت کے دور میں اسلامی نظریات سے پوری طرح واقفیت رکھتے ہوں کیونکہ یورپ نے اپنے باطل نظریات و افکار سے جس بری طرح ذہنوں کو متاثر کر دیا ہے اور خدا سے بغاوت پر جس قدر میٹیریل فراہم کر دیا ہے اس کا علاج اب یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو ان سے اجتناب کی تلقین کی جائے بلکہ ضرورت ہے اس پر کاری ضرب لگانے کی اور یہ اسی وقت ہو سکے گا جب اس کے نظریات سے بھرپور واقفیت پیدا کی جائے اس لئے ناگزیر ہے کہ نظام تعلیم اور طریقہ تعلیم میں مکمل انقلاب پیدا کیا جائے دین و دنیا کے لئے الگ الگ تعلیم گاہیں نہ ہوں بلکہ دینی و دنیاوی علوم کے لئے مشترک درسگاہیں قائم کی جائیں اور بنیادی طور سے یہ تعلیم گاہیں اسلام کی خادم ہوں۔ نظام تعلیم از سرِ نو ایسا مرتب کیا جائے جس میں کتاب الٰہی (قرآن) کو مرکزی حیثیت حاصل ہو اور سارے

علوم اسی کے لیے پڑھے پڑھائے جائیں، معاشیات، عمرانیات، اخلاقیات اور دیگر مغربی علوم پر اسی کی چھاپ ہو، اور موجودہ طریقہ تعلیم جو مدارس میں چل رہا ہے اسے ایسے نہج میں بدل دینے کی ضرورت ہے جس سے جماعتی عصبیت اور حق و صواب کو ایک خاص حلقے ہی میں محدود سمجھنے کی ذہنیت کا خاتمہ ہو جائے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب تفسیر، حدیث اور فقہ جماعتی عصبیت سے بلند ہو کر پڑھی پڑھائی جائے اور حضرات ائمہ رحمہم اللہ کی تحقیقات پوری دیانت داری کے ساتھ عمدہ انداز میں ادب و احترام کے ساتھ پیش کی جائیں خواہ مخواہ کسی ایک مسلک پر زور نہ دیا جائے ورنہ اس کا حاصل بجز جھگڑالو مولوی کے اور کچھ بھی نہیں اور اس کی دنیا کو بالکل ضرورت نہیں ہے بنا بریں نظام تعلیم اور طریقہ تعلیم میں تبدیلی وقت کی ایک اہم ضرورت ہے

اوپر کے خاکے کے مطابق نظام تعلیم اور طریقہ تعلیم میں تبدیلی عمل میں لائی جائے تو توقع ہے کہ ان مدارس سے ایسے سپاہی پیدا ہونے لگیں گے جو اسکے سچے خادم ثابت ہوں اور جو اسلامی تعلیمات کو دنیا کے سامنے نہایت خوش اسلوبی سے پیش کر سکیں گے اور دنیا مجبور ہوگی کہ ان کے پیش کئے ہوئے نظریات کے سامنے جھکے اور تسلیم کرے کہ واقعی سلامتی کی راہ وہی ہے جو اللہ کی یہ کتاب بتاتی ہے اور انسانوں کے بنائے ہوئے نظاموں میں کوئی ایسا نظام نہیں جو دکھی دنیا کے درد کا مداوا ہو سکے کیونکہ وہ سب کے سب خدا سے بغاوت پر مبنی ہیں، اس سے انکار نہیں کہ موجودہ حالات قرآنی تعلیمات اور قرآنی افکار کے لئے بالکل سازگار نہیں ہیں لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ یورپ جب اپنے باطل نظریات سے دنیا پر چھا سکتا ہے تو ان کے پاس تو نظام حق ہے حق میں خود غیر معمولی قوت تسخیر ہوتی ہے حق کی خاصیت مٹنا نہیں بلکہ بقا ہی خاصہ ہے وہ اس لئے نہیں ہے کہ شکست کھائے اور میدان دوسروں کے لئے چھوڑ دے۔ ضرورت ہے کہ دنیا کے سامنے اسلام کی ترجمانی صحیح طور سے کی جائے کیا عجب ہے کہ وقت

کی طاقتوں میں سے کسی پر اس کی حقانیت آشکارا ہو جائے اور وہ اسے قبول کر لے اس طرح کی کایا پلٹ کا ہونا بعید نہیں ہے جبکہ حق کے تسخیر قلوب کی مثالوں سے تاریخ بھری ہوئی ہے، آخری آسمانی کتاب اور اس سے پہلے کی دوسری آسمانی کتابوں کا جہاں جہاں نزول ہوا وہاں کے لوگ ذہنی اور اخلاقی اعتبار سے کس درجہ گراوٹ میں تھے اور کیسے کیسے غلط معتقدات اور باطل خیالات کے شکار تھے اور پھر خدا کے داعیوں کی دعوت کی بدولت کس طرح ان میں سے بہتوں کی آن کی آن میں کایا پلٹ ہو گئی اور کیسے کیسے اخلاق و کردار کے پیکر سامنے آگئے اس کی ان گنت مثالیں تاریخ نے محفوظ رکھی ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس طرح کی کایا پلٹ آج نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ قبولیت حق کی صلاحیت کسی خاص دور اور کسی خاص خطہ ارض کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ بلا قید زمان و مکان اس کے لئے موقع اور موسم ہے آج بھی حق پذیری کی صلاحیت مفقود نہیں ہوئی ہے لیکن افسوس کہ اس انداز پر کام ہی نہیں ہو رہا ہے جو اس کے لئے موزوں ہے اور نہ قرآن کے چلتے پھرتے نمونے ہی پائے جا رہے ہیں جو بھٹکتی دنیا کے لئے پہاڑی کے چراغ کا کام کریں۔

مقام حیرت ہے کہ ایک اشتراکی اپنے اصولوں کی اشاعت و پرچار میں سرگرم ہے اور اس کی برتری تسلیم کرانے کے لئے در بدر پھر رہا ہے اور ایک جمہوریت پسند اپنے نظام جمہوریت کی مدح سرائی میں رات و دن ایک کئے ہوئے ہے اور اس کی انتھک کوشش ہے کہ دنیا سے اس کی افادیت کا لوہا منوائے اور یہ ایک بہت بڑا سانحہ ہے کہ دنیا کی آبادی کا بیشتر حصہ ان نظاموں کا قصیدہ خواں ہی نہیں بلکہ عملاً انہیں اپنے یہاں جاری کئے ہوئے ہے دوسری طرف اسلام کا نظام حق ہے جس سے دنیا سنورتی ہے بلکہ دنیا اور آخرت دونوں کے حسنات کا وہ ضامن ہے پھر بھی اس کا کوئی پرسان حال نہیں ہے لے دے کے دینی مدارس میں کچھ پڑھا پڑھایا جاتا ہے اور غیر مرتب طور سے معلومات اس کے متعلق بہم پہنچائی جاتی ہیں رہی یہ بات کہ اسلامی نظام کیا ہے؟ اور اسے دوسرے نظام ہائے حیات پر کیا

فوقیت حاصل ہے اس پر غور کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جارہی ہے بس دین کا تصور محدود طور سے چند امور کی انجام دہی اور دنیا کو دین سے یک قلم الگ کر دیا گیا ہے سمجھ دار اور خوشحال طبقہ مسلمانوں کا اسلام کے باب میں اپنے اوپر کوئی ذمہ داری محسوس نہیں کرتا بلکہ اس کا سارا بوجھ مولویوں کے سر ڈال کر خود ہلکا پھلکا رہنا چاہتا ہے نہ اسکی زحمت گوارا کرتا ہے کہ خدا کی آخری کتاب کو اس اعتبار سے پڑھے کہ یہ کتاب ہم سے کیا مطالبہ کرتی ہے اور نہ اپنی اولاد کو اسکی تعلیم دلاتا ہے کہ وہ جانے اسلام کیا ہے ؟ بلکہ اسکی تعلیم دلانے کو ملائیت اور دقیانوسیت تصور کرتا ہے حالانکہ یہ آخری کتاب نہ صرف مسلمانوں کے نام بلکہ جملہ باشندگان ارضی کے نام بطور الٰہی پیغام آئی ہے عربی ہو کہ عجمی سب اس کے مخاطب ہیں جن لوگوں نے قرآن کے پیش کردہ حقائق کی تصدیق کی وہ مومن کہلائے اور جنھوں نے ان پر پردہ ڈالا وہ کافر کہلائے مومن مومن اس لئے ہے کہ وہ قرآن کی تعلیمات جو عین عقل و فطرت ہیں ان کا مصدق ہے اور کافر کافر اس لئے ہے کہ وہ اپنے ضمیر کی صدا اور اپنی عقل کو فیصلے کی جو قرآن کی تعلیمات کے مطابق ہیں تکذیب کرتا ہے کسی خاص قوم اور خاص مقام میں پیدائش ہونے کے سبب نہ کوئی مومن ہے اور نہ کوئی کافر ہے ۔

خدا کی اور آسمانی کتابیں تو محفوظ نہیں رہیں لیکن اسکی آخری کتاب قرآن حرف بحرف محفوظ ہے اور یہ کسی قوم کی میراث نہیں ہے جس طرح سورج کی ضیا پاشی ہمہ گیر ہے اسی طرح اس کا نزول کسی خاص خطۂ ارض کو اپنی تعلیمات سے مالا مال کرنے کے لئے نہیں ہیں بلکہ پورے نوع انسانی کو فائدہ پہنچانے کے لئے اس کی آمد ہوئی جن لوگوں نے اس کتاب عظیم کا خیر مقدم کیا وہ مومن اور اس کے امین ٹھہرے صحابہ رضوان اللہ علیہم سب سے پہلے اس امانت کے امین ہوئے اور انہوں نے اپنی مقدس زندگیاں اسکی خدمت کے لئے وقف کردیں اور حق امانت ادا کیا ان کے بعد تابعین و تبع تابعین کے سر یہ ذمہ داری آئی انہوں نے بھی اپنی وسعت بھر اس کا حق ادا کیا لیکن پھر اس میں خیانت ہونے لگی نوبت باینجا رسید

کہ آج ہر ملک میں جہاں وہ پائے جارہے ہیں دو طبقوں یعنی خوش الحال طبقہ اور مفلوک الحال طبقہ میں بٹے ہوئے ہیں خوشحال طبقہ اپنے اوپر دین کی کوئی ذمہ داری نہیں سمجھ رہا ہے اسلامی ممالک میں باہم اقتدار کی لڑائی چل رہی ہے یہ اسکو نیچا کر دکھاتا ہے وہ اس کو یہی آئے دن ہو رہا ہے ہر جگہ کا غریب طبقہ اس صورت حال پر کڑھتا ہے لیکن کچھ کر نہیں پاتا اس لئے کہ خوشحال طبقہ کو بڑی طاقتوں کا سہارا بھی حاصل ہے ۔

ہندوستان میں اس طرح کی تقسیم نہ تھی لیکن دوسرے ملکوں کی دیکھا دیکھی یہاں بھی خوشحال طبقہ دین سیکھنے کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگا کسی دینی مدرسے میں تعلیم دلانے کو طالب علم کے مستقبل کو تاریک بنانے کا مرادف سمجھا جانے لگا دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، ندوۃ العلماء لکھنؤ ان کی نگاہ میں دقیانوسیت اور تاریک خیالی کے اڈے ہیں ان میں ماضی کی طرف مڑنے کا مشورہ دیا جاتا ہے ان کا عدم و وجود تقریباً ان کے یہاں یکساں ہے اسی کے مقابلے میں وہ مرکز جہاں مغربی علوم پڑھائے جاتے ہیں اور انسان کو ایک ترقی یافتہ جانور کی تصویر میں پیش کیا جاتا ہے وہ ان کے یہاں نہایت مہتم بالشان ہیں بھلے سے ان مراکز میں جا کر ان کا بچہ قرآنی تعلیمات کے مطالبات فراموش کردے اور ہر امر میں اس کی ہدایت کی خلاف ورزی کرے یہی نہیں بلکہ علانیہ اسلام اور اسکی تعلیمات کا مضحکہ اڑائے تو بھی گوارا ہوتا ہے اس لئے کہ وہاں بچے کا مستقبل روشن ہو رہا ہے ۔

مسلمانوں کی واحد یونیورسٹی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے شاید اسلام کو اس سے کہیں زیادہ شکایت ہے جتنی ہندو یونیورسٹی سے ہے ، ہندو یونیورسٹی میں اگر کوئی بات بالفرض اسلام کے خلاف کہی بھی جاتی ہوگی تو وہ نا سمجھی سے لیکن یہاں تو اسلام اپنے دانشوروں کے ہاتھوں انکی چھری سے ذبح ہو رہا ہے یہاں تو عبداللہ اور عبدالرحمٰن جیسے لوگ اسلام کو ایک خوبصورت پیشاری میں بند کئے ہوئے ہیں اور اجازت نہیں کہ اس کی کوئی بات برسر عمل آئے بس دور سے کا ہے کا ہے اس کا درشن

کافی سمجھا جاتا ہے اس میں اسلامی کردار، اسلامی تہذیب اور اقلیتی کردار کے لیے حفاظت کی ضمانت ہے۔

فرعون نے اپنے وزیر ہامان سے کہا تھا کہ ایک خوب اونچا سا محل تعمیر کر کہ میں اس پر چڑھ کر ذرا فضا میں ادھر ادھر جھانک کے دیکھوں موسیٰ جس اللہ کے ہونے کا مدعی ہے وہ کہاں ہے مجھے اس کی بات پر یقین نہیں آتا ہے۔

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اب سے بہت پہلے تمسخر کیا تھا۔ قرآن کریم نے اس کے اس تمسخر کو قرآن میں محفوظ کر دیا فرعون موسیٰؑ کی دعوت حق کے باغی گروپ کا سربراہ تھا اس کا یہ مذاق ایک حد تک قابل برداشت تھا لیکن اسی طرح تشکیک کے بول اگر یونیورسٹیوں سے فرزندان اسلام کے منہ سے نکلنے لگیں تو وہ کیسے کریہہ اور خون کھولا دینے والے ہوں گے آج یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور ڈنکے کی چوٹ یہ سب کچھ کہا جا رہا ہے۔

اس صورت حال کا ماتم کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ضرورت ہے کہ وہ کتاب اللہ کی جانب رجوع ہوں اور اس سے پوچھیں کہ اے کتاب الٰہی ہمیں بتا ہم کیا کریں؟ ایسا نہیں ہے کہ وہ خاموش رہے گی بلکہ ہر امر میں ان کی رہنمائی کرے گی اور بتائے گی جملہ مغربی علوم کو اسی کا خادم بنا کر ناقدانہ پڑھیں ہر رطب و یابس کو قبول نہ کریں اور یہ اسی وقت ہوگا جب کتاب اللہ کا علم حاصل ہوگا۔

مسلمانوں نے یونانی فلسفہ اور علم کلام اسلام ہی کی خدمت کے لیے سیکھا تھا اور آج بھی مدارس میں یہ علوم پڑھائے جاتے ہیں اب ضرورت ہے کہ اس کے بجائے وہ مغربی علوم اپنے یہاں جاری کریں اور نہایت خوش اسلوبی سے مغربی فلسفہ اور مغربی علم کلام کا جواب دیں۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جہاں مغربی علوم کا نظم رکھتی ہے وہیں اس کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ قرآن مجید اور حدیث کی محققانہ تعلیم کا نظم کرے اور دوسرے اسلامی ادارے دینی علوم کے ساتھ ساتھ مغربی علوم کا بھی انتظام کریں اور جو شعبے بھی قائم کئے جائیں روح ہر ایک میں اسلام ہی کی ہونی چاہئے

(بقیہ صفحہ ۳۰ پر)

مختلف مکاتب فکر کے نمائندہ مدارس

اپنے اغراض و مقاصد کے آئینے میں

مرتب ـــــــــــــــ عبدالبراثری فلاحی

ذیل میں مختلف مکاتب فکر کے نمائندہ مدارس کے اغراض و مقاصد نقل کئے جا رہے ہیں تاکہ آپ خود ان پر غور کریں اور تجزیہ کر کے صحیح نتیجے تک پہنچیں۔ غور کرنے کے چند پہلو یہ ہو سکتے ہیں۔

(١) ضرورت و اہمیت
(٢) حکمت عملی
(٣) قدر مشترک
(٤) امتیازات
(٥) حالات سے مطابقت
(٦) اب تک کی کارکردگی اور اس کے اثرات
(٧) حصول مقاصد میں کوتاہیاں
(٨) خامیاں اور نقائص
(٩) آئندہ ضروری مطلوب اصلاحات

(مرتب)

دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم دیوبند کا قیام جن مقاصد کے لیے عمل میں لایا گیا ان کی تفصیل دارالعلوم کے قدیم دستور اساسی میں حسب ذیل بیان کی گئی ہے:-

(١) قرآن مجید، تفسیر، حدیث، عقائد و کلام اور ان کے علوم کے متعلقہ ضروری اور مفید فنون آلیہ کی تعلیم دینا، اور مسلمانوں کو مکمل طور پر اسلامی معلومات بہم پہونچانا، رشد و ہدایت اور تبلیغ کے ذریعے اسلام کی خدمت انجام دینا۔

(٢) اعمال و اخلاق اسلامیہ کی تربیت اور طلباء کی زندگی میں اسلامی روح پیدا کرنا۔

(۳) اسلام کی تبلیغ واشاعت اور دین کا تحفظ و دفاع، اور اشاعت اسلام کی خدمت بذریعہ تحریر و تقریر بجالانا اور مسلمانوں میں تعلیم و تبلیغ کے ذریعہ سے خیر القرون اور سلف صالحین جیسے اخلاق واعمال اور جذبات پیدا کرنا۔

(۴) حکومت کے اثرات سے اجتناب واحتراز اور علم وفکر کی آزادی کو برقرار رکھنا۔

(۵) علوم دینیہ کی اشاعت کیلئے مختلف مقامات پر مدارس عربیہ قائم کرنا اور انکا دارالعلوم سے الحاق۔

(تاریخ دارالعلوم دیوبند مرتبہ سیّد محبوب رضوی ج ۱ ص ۱۴۳)

ندوۃ العلماء لکھنؤ

اس تحریک کے پیش نظر ابتدا میں دو مقاصد تھے۔

(۱) علوم اسلامیہ کے نصاب درس میں دور رس اور بنیادی اصلاحات اور نئے نصاب کی تیاری۔

(۲) دفع نزاع باہمی یعنی اتحاد ملّی اور اخوت اسلامی کے جذبات کو فروغ دینا۔

تحریک ندوۃ العلماء جوں جوں آگے بڑھتی رہی اسنے اپنے دائرہ کار اور بنیادی مقاصد میں اضافہ کیا۔ اب گویا مندرجہ ذیل چار مقاصد تحریک ندوۃ العلماء کے بنیادی مقاصد قرار پائے۔

(۱) علوم اسلامیہ کے نصاب درس میں دور رس اور بنیادی اصلاحات اور نئے نصاب کی تیاری۔

(۲) ایسے علماء پیدا کرنا جو کتاب و سنت کے وسیع و عمیق علم کے ساتھ جدید خیالات سے بخوبی واقف اور زمانہ کے نبض شناس ہوں۔

(۳) اتحاد ملی اور اخوت اسلامی کے جذبات کو فروغ دینا۔

(۴) اسلامی تعلیمات کی اشاعت بالخصوص برادران وطن کو اس کی خوبیوں سے روشناس کرانا۔

(تاریخ ندوۃ العلماء از مولوی محمد اسحاق جلیس ندوی ج ۱ ص ۵۵-۵۶)

مدرسۃ الاصلاح سرائے میر

دفعہ: ۴:- اصل مقصد اس مدرسہ کا مسلمانوں کی مذہبی اور دنیوی تعلیم ہے اور بوقت توسیع مذہبی تعلیم کو مقدم رکھا جائے گا۔

دفعہ: ۵:- انتظام تعلیم میں یہ مدرسہ خصوصیات ذیل ہمیشہ پیش نظر رکھے گا۔

(الف) قرآن وحدیث وفقہ وادب عربی کی طرف شدت اعتنا۔

(ب) اصل علم وقابلیت کو مطمح نظر رکھنا نہ کسی محدود نصاب کتب کو الا قرآن مجید و متون حدیث

(ج) درستی اخلاق یعنی پابندی شرائع و روحانیت اسلام۔

(د) آسانی نصاب باوجود اعلیٰ قابلیت۔

(ہ) کفایت مصارف باوجود آسائش طلبہ

شرح: خصوصیات الف و ب بنیادی ہیں، ج انکا عملی ثمرہ ہے۔ اور د، ہ انکے ذرائع ہیں، اور انکی اہمیت میں باہمی فرق مراتب انکی ترتیب سے سمجھنا چاہیے۔

(دستور العمل مدرسۃ الاصلاح ص ۲-۳)

مدرسہ کے تعارف نامے کے ٹائٹل کے اندرونی صفحہ پر "مقاصد" کے عنوان سے درج ذیل تحریر ہے۔

(۱) قرآن کی محققانہ تعلیم

(۲) حدیث نبوی فقہ اسلامی اور ادب عربی کی طرف (دیگر علوم کے بالمقابل) شدت اعتنا

(۳) قرآن مجید کی روشنی میں علوم قدیم کی تجدید اور علوم جدیدہ کی تطہیر

(۴) درستی اخلاق یعنی پابندی شرائع اور روحانیت اسلام کی عملی تربیت

(۵) مسلمانوں کے مذہبی اختلافات اور معاشرتی خرابیوں کی اصلاح

(۶) وقت کے ضروری علوم اور کارآمد صنعتوں کی تعلیم۔

جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم بنارس

جامعہ کے قیام کیلئے مندرجہ ذیل بنیادی مقاصد متعین کئے گئے۔

(۱) کتاب وسنت، اور اسلامی علوم وفنون نیز عربی زبان وادب کی طریقہ سلف کے مطابق تخصص اور اعلیٰ تعلیم

(۲) اردو ہندی و انگریزی تعلیم پر خصوصی توجہ

(۳) عصری تقاضوں کے مطابق مفید علمی و فکری لٹریچر تیار کرنے کیلئے تصنیف و تالیف کے شعبے کا قیام نیز عربی، اردو ہندی اور انگریزی میں علمی و ادبی جرائد کا اجراء۔

(۴) علماء و مصنفین کی ایسی جماعت تیار کرنا جو اسلام دشمن تحریروں کا جواب دے سکے باطل افکار و نظریات، گمراہ کن عقائد اور بدعات و خرافات کی بیخ کنی کر سکے۔

(۵) کتاب و سنت کی بنیاد پر ملت اسلامیہ میں اتحاد و یگانگت پیدا کرنا اور اسی مقصد کیلئے عالم اسلام، عرب یونیورسٹیوں، علمی اداروں اور اسلامی تنظیموں سے ثقافتی تعلقات استوار کرنا۔

(جامعہ سلفیہ مرکزی دار العلوم بنارس کا ایک مختصر تعارف نامہ ص ۵-۶)

جامعۃ الفلاح بلریا گنج

(۱) ایسے افراد تیار کرنا۔

(الف) جو قرآن و سنت کا گہرا علم اور صحیح دینی بصیرت رکھتے ہوں۔

(ب) جن کی نظر وقت کے اہم مسائل پر ہو اور جو غیر اسلامی افکار و نظریات سے بخوبی واقف ہوں

(ج) جو اسلامی اخلاق و کردار کے حامل ہوں۔

(د) جن میں احیائے دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کا صحیح جذبہ ہو۔

(ہ) جو گروہی، جماعتی اور فقہی اختلافات سے بالاتر ہو کر وسعت قلب و نظر کے ساتھ معاشرے کی اصلاح و تعمیر کا فریضہ انجام دے سکیں۔

(۲) ایسا نصاب تعلیم زیر عمل لانا جس میں دینی اور دنیوی تعلیم کا بہترین امتزاج ہو۔

(دستور جامعۃ الفلاح ص ۲-۳)

جامعہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور

باوجود تلاش بسیار کوئی معین چیز دستیاب نہیں ہو سکی البتہ اس کے تعارف نامہ میں جس قدر مل سکا وہی نقل کیا جاتا ہے۔

"اسلامی علوم و آگہی اور جدید و قدیم نظام تعلیم کی منفرد دانش گاہ۔

تصنیف و تالیف اور رشد و ہدایت کی مایۂ ناز تربیت گاہ۔

حنفی عقائد و مسلک کا محافظ اور حق و صداقت کا علم بردار۔" ص ۲

اس سلسلے کی کچھ تفصیل مدرسہ کی جانب سے شائع کردہ کتابچے "دار العلوم اشرفیہ کا نصاب تعلیم و تربیت" کے اندر ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے

"دار العلوم اشرفیہ کے پیچھے بھی ایک مقصدی کردار اور مخصوص نظریہ تعلیم و تربیت ہے جس کے گرد پورا انتظام گردش کر رہا ہے۔

اس بنیادی سوال پر بانیان دار العلوم اشرفیہ کا ذہن نہایت واضح اور صاف ہے اپنے قائم کئے ہوئے نظام تعلیم کے ذریعے نہ تو انکا مدعا ایسے افراد پیدا کرنا ہے جو صرف حکومت کی مشنری کا پرزہ بن سکیں اور نہ ایسے علماء کی کھیپ نکالنی ہے جو اپنے ماضی سے کٹ کر صرف عصر حاضر کا ہو کر رہ جائیں بلکہ درس و تدریس کے عمل سے وہ صرف اس طرح کے علماء ڈھالنا چاہتے ہیں جو اپنے ماضی سے بھی بے تعلق نہ ہوں اور عصر حاضر کا بھی تقاضا پورا کر سکیں" ص ۳

غزل

ایم۔ اے۔ شمسی دوگھروی

نہ شکووں کا نہ وعدوں کا اعتبار چلے ⁘ بتاؤ کیسے محبت کا کاروبار چلے
ہمارے پاس بچا کیا ہے نذر کرنے کو ⁘ تمہاری بزم میں کل کائنات ہار چلے
کشش تھی یادوں کی یا تھی جگر کی بے تابی ⁘ تمہاری سمت بہت ہو کے بے قرار چلے
غضب کی آگ ابھی تک نہ بجھ سکی دل سے ⁘ ہم اشک بار چلے جب وہ شعلہ بار چلے
تمہاری یاد کو ذہنوں سے ہم کھرچ ڈالیں ⁘ کبھی جو دل پہ ہمارا بھی اختیار چلے
سکون پا گیا شمسی دل حزیں آخر ⁘ جو بوجھ دل پہ تھا اپنے وہ سب اتار چلے

ثروت جمال اصمعی

قوم عاد کے آثار دریافت کر لئے گئے

۵ ہزار سال قبل مسیح کی تہذیب قرآنی بیان کے عین مطابق پائی گئی

امریکی ماہرین آثار قدیمہ کی تازہ ترین دریافت:

قرآن کی روشنی میں

—— ایک ایمان افروز جائزہ ——

۵ فروری ۱۹۹۲ء کے امریکی اخبارات چونکا دینے والی سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئے۔ ان سرخیوں کا تعلق پانچ سے تین ہزار سال قبل مسیح میں جنوبی عرب میں آباد عاد نامی اس انتہائی خوشحال اور ترقی یافتہ قوم کے آثار کی دریافت سے تھا جس کے عروج و زوال کا تفصیلی ذکر اگرچہ قرآن میں موجود ہے لیکن جس کے آثار اب تک اس طرح معدوم تھے کہ مغربی محققین عموماً قرآن میں اس قوم کے تذکرے کو بے بنیاد قصہ گوئی قرار دے کر لوگوں کی نظر میں اللہ کی کتاب کو ناقابل اعتبار ٹھہرانے کی کوشش کرتے تھے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے بھی اس صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے اپنے سفر نامہ ارض القرآن میں لکھا ہے کہ "تاریخ قدیم کے بعض یورپی مصنف عاد کو صرف ایک فرضی کہانی سمجھتے ہیں لیکن یہ انتہائی غلطی ہے" (معالم القرآن پارہ ۸ صفحہ ۵۰۲)۔ قوم عاد کے بے نام و نشان ہو جانے کا ذکر کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں: "یہ بات خود اہل عرب کی تاریخی روایات سے بھی ثابت ہے اور موجودہ اثری انکشافات بھی اس پر شہادت دیتے ہیں کہ عاد اولیٰ بالکل تباہ ہو گئے اور ان کی یادگاریں تک دنیا سے مٹ گئیں۔ چنانچہ مورخین عرب انہیں عرب کی امم بائدہ (معدوم اقوام) میں شمار کرتے تھے۔" (تفہیم القرآن۔ جلد دوم صفحہ ۴۴)

لیکن قرآن کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ بتاتی ہے کہ انسان کے علم میں اضافے اور نئی دریافتوں کے ساتھ ساتھ ہر دور میں قرآن کی صداقت کے نئے ثبوت سامنے آتے چلے جا رہے ہیں اور اس طرح اللہ کی طرف سے انسانوں پر قرآن کے اللہ کی کتاب اور انسانوں کے لئے واحد سرچشمۂ ہدایت ہونے کے حوالے سے حجت تمام کی جا رہی ہے۔

دور جدید میں اس کی ایک انتہائی اہم مثال کائنات کے بے خالق ہونے کے تمام تصورات

کا خاتمہ کر دینے والی وہ بگ بینگ تھیوری ہے جس کے ذریعے جدید سائنس نے قرآن کی ڈیڑھ ہزار برس پہلے بیان کردہ اس حقیقت کو پوری طرح تسلیم کر لیا ہے جو سورہ انبیاء کی ۳۰ ویں آیت میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ: "آسمان و زمین باہم ملے ہوئے تھے پھر ہم نے انکو الگ الگ کر دیا۔"

بگ بینگ تھیوری جسے کائناتی مشاہدات سے توثیق ہو جانے کے بعد اب بڑی حد تک ایک ثابت شدہ حقیقت کا درجہ حاصل ہو چکا ہے، آج کی سائنس اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ کائناتی مادے کو جو اپنے مرکز کی زبردست کشش کی وجہ سے باہم پیوست تھا، تقریباً ۲ ارب سال پہلے ایک زبردست طاقت نے پھاڑ کر مخالف سمتوں میں رواں کر دیا۔ اس طرح بے شمار کہکشائیں وجود میں آئیں جن کا مخالف سمتوں میں سفر آج بھی جاری ہے اور اس طرح ان کا درمیانی فاصلہ برابر بڑھ رہا ہے۔ اگر ان کی یہ سمت سفر الٹ دی جائے تو انہیں از سر نو یکجا ہونے میں ۲۰ ارب سال لگیں گے۔ اس طرح سائنس نے کسی اشتباہ کے بغیر کائنات کی تخلیق میں ایک ایسی طاقت کا وجود تسلیم کر لیا ہے جو خود کائنات کا حصہ نہیں بلکہ اس سے ماوراء ہے اور یوں قرآن کی مذکورہ بالا آیت میں بیان کردہ حقیقت تک سائنس آج پہنچی ہے جبکہ قرآن اسے ڈیڑھ ہزار سال پہلے منکشف کر چکا ہے۔

قوم عاد کے آثار کی دریافت بھی قرآن کی صداقت کا ایک ناقابل تردید ثبوت ہے۔ امریکی ریاست لاس اینجلس کے ماہرین آثار قدیمہ کی ایک ٹیم نے خلائی تحقیق کے امریکی ادارے کے مواصلاتی سیارے سے زمینی مشاہدے کی سہولت حاصل کر کے ہزاروں فٹ ریت کے نیچے دفن اس تہذیب کے آثار کا سراغ لگایا اور بالآخر ایک انتہائی طویل اور صبر آزما جد و جہد کے بعد ان آثار کی دریافت کا پہلا مرحلہ مکمل کر ڈالا۔ اس کے نتیجے میں اس قوم کے مرکزی شہر "ارم" کے متعلق جو معلومات حاصل ہوئیں وہ قوم عاد، اس کی تہذیب اور اس پر آنے والے عذاب کے بارے میں قرآنی بیان کے عین مطابق ہیں۔ یہ کام جاری رہا اور اس تہذیب کے مزید آثار بھی منظر عام پر لائے جا سکے تو انشاء اللہ قرآن کی صداقت کے مزید ناقابل تردید ثبوت فراہم ہوں گے۔

آئندہ صفحات میں ہم لاس اینجلس ٹائمز کے ۵ فروری کے شمارے میں شائع ہونے والی اس

اس رپورٹ کا مکمل ترجمہ پیش کر رہے ہیں جس میں امریکی ماہرین کے ہاتھوں شہرِ ارم کی دریافت کی تفصیلی روداد بیان کی گئی ہے۔ یہ رپورٹ چونکہ ان لوگوں نے مرتب کی ہے جو نہ صرف یہ کہ قرآن سے تقریباً ناواقف ہیں بلکہ اس کے بارے میں گوناگوں تعصبات کا بھی شکار ہیں' اس لئے اس رپورٹ میں واضح طور پر یہ نیت جھلکتی معلوم ہوتی ہے کہ پڑھنے والوں کو قرآن سے متاثر ہونے سے بچایا جائے۔ چنانچہ اس میں جگہ جگہ قوم عاد کی مکمل تباہی کو تسلیم کرنے کے باوجود بالکل بے بنیاد طور پر یہ کہا گیا ہے کہ یہ تباہی کسی عذابِ الٰہی کا نتیجہ نہیں تھی اور اس بارے میں قرآن کے بیانات درست نہیں ہیں۔ یہ جتنا مضحکہ خیز موقف ہے خود ہی واضح ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب یہ تسلیم ہے کہ یہ قوم اس طرح تباہ ہوئی کہ ٹنوں ریت کے نیچے دفن ہو کر معدوم ہو گئی تو کیا اسے اللہ کا عذاب نہیں' رحمت کہا جائے گا۔

اسی طرح یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ اس رپورٹ میں قرآن اور داستانِ الف لیلہ کو یکجا کر کے قرآن کا پایۂ اعتبار گھٹانے کی کوشش کی گئی ہے۔ عاد پر عذابِ الٰہی کے نزول کے قرآنی بیان اور جنت شداد کے افسانوی تذکروں کو بھی خلط ملط کر دیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ اگر دانستہ ہے' تو اس کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ قاری کو قرآن کی حقانیت سے متاثر نہ ہونے دیا جائے۔

تاہم لاس اینجلس ٹائمز کی مذکورہ رپورٹ سے عاد کے بارے میں قرآنی بیان کی صداقت کے جو پہلو سامنے آتے ہیں' وہ اتنے روشن ہیں کہ لاکھ کوشش کے باوجود انھیں چھپایا نہیں جا سکتا۔
اب آپ یہ رپورٹ ملاحظہ فرمائیے' جس کا تکبیر کے لئے جناب کاشف الآفاقی نے ترجمہ کیا ہے آخر میں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ اس رپورٹ سے قوم عاد' اس کے تہذیب و تمدن' قوت و شوکت اور پھر اس پر آنے والے عذاب الٰہی کے تعلق سے قرآنی بیان کے کن کن پہلوؤں کی توثیق ہوتی ہے۔

لاس اینجلس ٹائمز کی رپورٹ

گم شدہ افسانوی شہر ارم' جس کا تذکرہ عربی ادب کی معروف ترین افسانوی کتاب "الف لیلہ" کے علاوہ قرآن کریم میں بھی آیا ہے اور جو عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے تین ہزار سال قبل عود

و لوبان کے نفع بخش کاروبار کا مرکز تھا' دریافت کیا جا چکا ہے۔ اسے ریاستہائے متحدہ امریکا کی ایک ریاست "لاس اینجلس" کے شائق اور پیشہ ور ماہرینِ آثارِ قدیمہ پر مشتمل ایک ٹیم نے دریافت کیا جو اصلاتی سیارے سے کئے جانے والے مشاہدے سمیت اعلیٰ تکنیکی طریقۂ کار اور سراغ رسانی کے قدیم ادبی سرمائے سے کام لیتے ہوئے' انھوں نے اس قلعہ بند شہر کو عمان کے ایک علاقے میں بادِ سموم کے جھونکوں سے ہمہ وقت تغیر پذیر ہونے والے ایسے بے آب و گیاہ ویران ریگزار کی تہوں میں مدفون پایا' جسے ربع الخالی کے نام سے جانا جاتا ہے۔

تقریباً پانچ ہزار سال قبل آباد ہونے والا شہر ارم کبھی عود و لوبان کی صنعت و تجارت کا مرکز ہوا کرتا تھا۔ لوبان کا خوشبودار گوند ان درختوں سے حاصل کیا جاتا تھا' جو وادی قری کے قرب و جوار میں اگائے جاتے تھے۔ لاشوں کو جلاتے وقت اور مذہبی تقریبات میں استعمال ہونے کے علاوہ لوبان' جو سونے کی طرح بیش قیمت سمجھا جاتا تھا' خوشبویات اور دواؤں میں بھی زیر استعمال تھا۔

اسلامی روایات کے مطابق ارم کے حکمران اپنی انتہائی دولت مندی کی وجہ سے کبر و نخوت میں مبتلا اور عام باشندے اتنے بدکار اور عیش و عشرت کے دلدادہ ہو گئے تھے کہ آخر کار قہرِ خداوندی جوش میں آیا اور شہر نیست و نابود ہو کر ریگِ رواں میں دفن ہو کر رہ گیا۔ ٹی۔ ایس۔ لارنس' جو بہتر طور پر "لارنس آف عربیہ" کے نام سے معروف ہیں' اسے "ریگزاروں کا اٹلانٹس" کہتے ہیں اور بحر اوقیانوس میں غرق شدہ برِ اعظم اٹلانٹس کی طرح ارم کے وجود کے باب میں بھی بے شمار اہلِ تحقیق اسکار حضرات شک و شبہ میں مبتلا تھے۔ ان کا خیال تھا کہ دنیا میں سرے سے ایسا کوئی شہر ہی نہ تھا۔ یہ محض ایک افسانوی شہر ہے۔

سان مرینو کی ہنٹنگٹن لائبریری میں منعقد ہونے والی ایک نیوز کانفرنس میں محققین اس بات کا اعلان کریں گے کہ دو ماہ قبل تک جس مقام کی کھدائی کی گئی ہے' اس میں وہ غیر معمولی ہشت پہل عمارت بھی ظاہر ہوئی' جو ہو بہو وہی عالی شان محل ہے' جس کا تذکرہ دیو مالائی طرز کی کہانیوں میں ملتا ہے۔

علاوہ ازیں محققین کا کہنا ہے کہ انھیں اس بات کے دستاویزی ثبوت بھی ملے ہیں کہ شہر

کس طرح تباہ و برباد ہوا، لیکن ان کے شواہد سے یہ بالکل ظاہر نہیں ہوتا کہ بدکاری کی وجہ سے شہر پر اللہ کا قہر نازل ہوا تھا۔ روایتی بادشاہ، شداد بن عاد نے اپنی نقلی جنت "باغِ ارم" کی تعمیر نادانستہ طور پر چونے کے پتھروں کے ایک بھیانک غار کے اوپر کرائی تھی، نتیجتاً شہر کے وزن کی وجہ سے شہر کا ایک بڑا حصہ غار میں دھنس گیا اور باقی ماندہ حصہ ویران ہو کر رہ گیا۔

محققین نے اس شہر کے قریب واقع چھ ہزار سال قبل مسیح کے "پتھر کے زمانے" کے آخری دور کے ایک گاؤں کے آثار بھی دریافت کئے ہیں۔

لاس اینجلس کے اڑتالیس سالہ وکیل، جارج ہیجز، ترپن سالہ پرانے فلم ساز، نکولس کلیپ کے ساتھ اس مہم کے قائدین میں تھے، کہتے ہیں کہ "توقع یہ کی جاتی ہے کہ ان دریافتوں سے علاقے کی ابتدائی تاریخ پر، جو توہمات کے گرد و غبار تلے دب کر رہ گئی تھی، خاصی روشنی پڑ سکتی ہے۔ مثال کے طور پر علاقے کے رازہائے سربستہ جب فاش ہوں گے، تو یہ حقیقت بھی آشکار ہو جائیگی کہ ارم کی شہری مملکت کی ہم عصر ملکہ سبا کا وجود بھی ایک حقیقت ہے۔"

تحقیق کاروں نے اس بات کے شواہد بھی دریافت کر لئے ہیں کہ اس دور میں مقام مذکور کی آب و ہوا بالکل مختلف تھی۔ "پتھر کے زمانے" کا گاؤں ایک دریا کے کنارے آباد تھا، جو اب خشک ہو چکا ہے۔ اس گاؤں کے باشندے گاؤں کے ایک بڑے علاقے میں کاشتکاری کیا کرتے تھے۔

"پتھر کے زمانے" والے گاؤں کے تین ہزار سال بعد ارم کے دورِ ارتقاء میں بھی بارشیں خوب ہوتی تھیں اور کنوؤں سے پانی وافر مقدار میں حاصل ہوتا تھا، جو نہ صرف اہل شہر کے لئے کافی ہوتا تھا، بلکہ دور دراز سے کریہہ المنظر صحراؤں کو عبور کر کے آنے والے اونٹوں کے قافلوں کی کفالت کا باعث بھی بنتا تھا۔

ارم اور دوسرے مقامات کی کھدائی سے، جن کی تحقیق کاروں نے نشاندہی کی ہے، عود و لوبان کی تجارت کے بارے میں پہلی بار صحیح اطلاعات فراہم ہوں گی۔ لوبان ان زرعی فصلوں میں ہے، جو مالِ تجارت بنیں۔

اس تلاش و جستجو کی قوتِ محرکہ اس وقت پیدا ہوئی، جب ایک برطانوی سیاح، برٹریم تھامس کی کتاب "عربیہ فلیکس" میں ارم سے متعلق ایک تحریر عربیت کے زندگی بھر کے شیدائی ترپن سالہ

پرانے امریکی فلم ساز، نکولس کلیپ کی نظر سے پہلی بار گزری۔ سیاح برٹریم تھامس نے ارم کی قدیمہ تجارتی گزرگاہوں کی تلاشِ ناکام میں سالہا سال گزارے تھے۔ "لارنس آف عربیہ" نے بھی اسی کشش میں ایک سیاحتی مہم کی منصوبہ بندی ضرور کی تھی، لیکن افسوس کہ اس کی زندگی نے وفا نہ کی۔ بیچارہ دل کی حسرت دل ہی میں لئے مر گیا۔

نکولس کلیپ کو "لارنس آف عربیہ" اور برٹریم تھامس کے مقابلے میں دو خصوصی آسانیاں حاصل تھیں: پیسڈینا میں واقع نیشنل ایرو ناٹکس اینڈ اسپیس ایجنسی (ناسا) کی جیٹ پروپلزن لیبورٹری (جے پی ایل) نے، جو اپنی خلائی قوتِ اختراع کے لئے بہت مشہور ہے، محققین کے جنون خیز تصورات کی حوصلہ افزائی کی اور اپنی تکنیکی خصوصیات کو ارم کی دریافت میں بروئے کار لانے پر تیار ہو گئی۔

نکولس کلیپ نے جیٹ پروپلزن لیبورٹری (جے پی ایل) کے سائنس دانوں، چارلس ایلاچی اور رونالڈ بلام کو ایک مخصوص شٹل ریڈار سسٹم کے ذریعہ، جو چیلنجر کے آخری کامیاب مشن پر اٹھایا گیا تھا، ارم کے علاقے کا بغور معائنہ کرنے پر آمادہ کر لیا۔ ریڈار میں یہ قوت موجود تھی کہ وہ ریت کی بھربھری اوپری سطح سے گزر کر اندرونِ سطح تک کی ارضیاتی ہیئت کو دیکھ سکے۔

اسی قوتِ اختراع کو بروئے کار لا کر مذکورہ ٹیم اس قابل ہوئی کہ ان قدیم تجارتی گزرگاہوں کو دریافت کر سکے، جو لاکھوں کروڑوں اونٹوں کے گزرنے کی وجہ سے سخت سطحوں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ وہ مقاماتِ اتصال، جہاں تجارتی گزرگاہیں آ کر ملتیں یا جہاں سے ان کی شاخیں پھوٹتیں، گمشدہ شہر کا تعین کرتے دکھائی دیئے۔

ان اطلاعات سے بہرہ مند ہونے کے بعد، انھوں نے ساؤتھ ویسٹ مسوری اسٹیٹ یونیورسٹی کے ماہر آثارِ قدیمہ، جیورس زارنز اور برطانوی سیاح، سر رینلف فائینس کی خدمات حاصل کیں۔ سر رینلف فائینس، جو کبھی برطانوی فوج میں تھے، صحرائے عمان میں سلطان کی افواج سے جنگ لڑ چکے ہیں۔

اس ٹیم نے گزشتہ موسم گرما کے دوران عمان میں ایک مختصر سی ابتدائی مہم کا آغاز کیا۔ لگ بھگ پینتیس مقامات کی نشاندہی ہوئی۔ انھوں نے مٹی سے بنے ہوئے برتنوں کے کئی ٹھیکرے اور

تجارتی گزرگاہوں کے دوسرے شواہد پائے، لیکن پھر بھی ایسی کوئی شے نہ مل سکی جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ انھوں نے فی الواقع اس شہر کا سراغ لگا لیا ہو۔

گزشتہ سال دسمبر کے مہینے میں وہ پھر وہاں پہنچے اور انھوں نے متعدد مقامات پر ابتدائی کھدائی کا کام شروع کیا۔ انھوں نے جلد ہی اس نخلستان کا بھی پتہ چلا لیا، جو ان میں ایک کی معلومات کے مطابق شسر کہلاتا تھا۔ اس سے بڑی امیدیں بندھیں۔

خانہ بدوش بدو ہی عربوں کے چوراہوں کے علاوہ شسر کی موجودہ حالت یہ ٹھہری کہ اب وہاں چند آبادکار بھی نظر آنے لگے ہیں جو لگ بھگ ایک ایکڑ زمین پر وہاں کے کنویں کے پانی کی مدد سے کاشتکاری کرتے ہیں۔ عمان کی حکومت نے حال ہی میں وہاں ان خانہ بدوشوں کے لئے ایک علاقائی سینٹر کی تعمیر کرائی ہے، جس میں ایک مسجد اور ۱۲ چھوٹے چھوٹے مکانات شامل ہیں۔ ٹیم نے ان مکانات میں سے تین، اپنے ہیڈ کوارٹر کے طور پر کرائے پر حاصل کر لئے ہیں۔

ذرا ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ وہ برطانوی سیاح، برٹرم تھامس جس نے "عربیہ فلیکس" نامی کتاب تحریر کی تھی، ارم کی تلاش میں شسر کے مقام تک آیا ضرور تھا اور وہاں ایک "بھدے سے قلعے" پر چند یادداشتیں بھی رقم کی تھیں، لیکن جب آبادکاروں نے اسے بتایا کہ مذکورہ قلعہ صرف تین سو سال قبل ایک مقامی شیخ نے تعمیر کرایا تھا، تو برٹرم تھامس اسی حد تک کے مطالعے کو کافی سمجھ کر وہاں سے چلا گیا۔

یہ صحیح ہے کہ قلعہ زیادہ قدیم نہیں، لیکن ٹیم نے یہ حقیقت دریافت کر لی کہ شیخ نے جس قلعے کی تعمیر کرائی تھی وہ ارم کے ملبوں ہی پر قائم ہے اور اس کی تعمیر میں ارم ہی کے چونے کے پتھروں والے بلاک استعمال ہوئے ہیں۔

نکولس کلیپ کے قول کے مطابق، کھدائی کا آغاز کرتے ہی ان پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی تھی کہ انھوں نے کچھ حاصل ضرور کر لیا ہے۔ جیورس زارینز نے جلد ہی اپنی یونیورسٹی سے پوری ٹیم اکٹھی کر لی اور کھدائی کے محنت طلب کام میں تعاون کیلئے نکولس کلیپ اور جارج ہیجز نے قریبی علاقوں سے رضاکاروں کی خدمات حاصل کر لیں۔

نکولس کلیپ کا کہنا ہے کہ چند ہفتوں تک تو چالیس چالیس رضاکاروں پر مشتمل ٹیم نے

کھدائی کا کام کیا اور مقام مذکور سے ریت پیچ پیچ اڑتی ہوئی دکھائی دیتی رہی۔ آخر دو ماہ کی مشقت کے بعد دو سو ٹن ریت ہٹائی گئی اور ریت کو اس طرح چھانا پھٹکا گیا کہ چوہیوں کی ننھی ننھی ہڈیاں برآمد کر لی گئیں۔ مقام مذکور کی مکمل جانچ پڑتال کیلئے ان کے اندازے کے مطابق مزید دو ہزار ٹن ریت ہٹانے کی ضرورت ہے۔

اس کھدائی میں انھوں نے جو کچھ پایا، وہ عام معنوں میں ایک شہر تو نہیں کہلا سکتا کیونکہ زمانۂ قدیم میں بیشتر عرب عام مکانات کی بجائے خیموں میں رہا کرتے تھے، جن کی قناتیں ٹھنڈی ہوا کے گزرنے کے لئے کھولی جا سکتی تھیں، لہذا مذکورہ شہر سے مستقل آثار بہت ہی کم دستیاب ہو سکے ہیں۔ ہاں، آتش دان کے طور پر زیر استعمال گڑھے جا بہ جا پائے گئے ہیں۔ (گویا منظر بقول کچھ ایسا ہی ہے کہ: آگ بجھی ہوئی اِدھر، ٹوٹی ہوئی طناب اُدھر۔ کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں؟)

لیکن خیموں کے اس شہر میں ایک مستقل قلعہ نما تعمیر ضروری تھی، جو اس شہر کے بادشاہ کے محل، عود و لوبان کے صنعتی گوداموں اور ریکارڈ سیکشن پر مشتمل تھی۔ بیرونی حملہ آوروں سے تحفظ کیلئے یہ قلعہ ایک محفوظ مقام تھا، جس کے مینار اور جس کی دیواریں کبھی توڑی نہ جا سکیں۔

انھوں نے یہ بات بھی دریافت کی کہ قلعہ آٹھ دیواروں سے گھیرا تھا۔ ہر دیوار دو فٹ موٹی، دس سے بارہ فٹ اونچی اور تقریباً ساٹھ فٹ لمبی تھی۔ اس ہشت پہل تعمیر کے ہر پہلو یا ہر گوشے پر ایک مینار تھا، جس کا قطر تقریباً دس فٹ تھا اور اونچائی تیس فٹ۔ یہ مینار ارم کی امتیازی خصوصیت تھی جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دریافت شدہ مقام ہی ارم ہے۔ اسی ارم کا تذکرہ قرآن کریم میں یوں آیا ہے "بہت سے میناروں والا شہر۔۔۔۔۔۔ ساری زمین پر اس جیسا شہر کہیں تعمیر نہ ہوا"۔ (قرآن کی سورۂ فجر کے اصل الفاظ یہ ہیں کہ ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلہا فی البلاد۔ یعنی ستونوں والا شہر ارم جس کے جیسا شہر ملکوں میں کہیں تعمیر نہیں ہوا)۔ دوسری چیز جس نے اس خیال کو یقین کا درجہ عطا کر دیا ہے، وہ غار ہے جس سے اس بات کی توثیق ہوتی ہے کہ شہر ایک ہولناک دھماکے کے ساتھ اس میں دھنس گیا تھا۔

کھدائی کے دوران، ٹیم نے ساری دنیائے قدیم کی سفالگری کے کمالات کے اجزا بھی

سے لیکر اونٹوں تک کی ہڈیاں (تا حال انسانی ہڈیاں برآمد نہ کی جا سکیں) کھجور دان اور سکّے وغیرہ پائے۔ انہیں اس بات کی توقع ہے کہ جب وہ غار میں دھنس جانے والے شہری حصّے کی کھدائی کریں گے تو بہت کچھ پا سکیں گے جو عمارات منہدم نہ ہو سکی تھیں ان کے باشندے بھاگتے ہوئے سارا سامان ضرور سمیٹ لے گئے ہوں گے لیکن جو غار میں دھنس گئیں انھیں کھود کر چیزیں نکالی نہ جا سکی ہوں گی۔

اب اگلی کھدائی کا انتظار ہے کیونکہ کان کنی کے چند ماہر ترین انجینئروں کے بغیر غار میں پڑے ہوئے شہر کی کھدائی انتہائی ہولناک مہم ثابت ہو سکتی ہے۔ اس مہم کے لئے سرمایہ عمان نیشنل بنک کی قیادت میں ایک امریکی کنسورشیم کے علاوہ برطانوی اور عمانی کمپنیوں نے فراہم کیا تھا۔

بقیہ: دینی درسگاہوں کے "نظام تعلیم"

کئے گئے ہیں، امید ہے کہ اسی جذبہ خیر اور خوش سگالی کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا جائیگا۔ مگر اس کے پس پشت کارفرما فکر کی جو درستی اور تازگی اور ایمان و ایقان کی جو حرارت و توانائی ہے اس کا فیضان عام ہو اور اس کی بخشش از بس تشنہ ہیں۔ صفحہ ۱۷

قطعہ

گلوں کی جان چمن کا وقار ہیں ہم لوگ
بہار اور مجسم بہار حسیں ہم لوگ
زمانہ خود ہی گلے سے لگائیگا اک دن
اگرچہ آج زمانہ پہ بار ہیں ہم لوگ

صبغۃ اللہ انور فلاحی

عین الحق قاسمی، ایم۔ اے (علیگ)
جامعۃ الفلاح بلریا گنج

کچھ طریقہ تحقیق کے بارے میں[۱]

تلاش و جستجو انسانی فطرت میں داخل ہے۔ ایک بچہ چیزوں کو الٹتا پلٹتا اور توڑتا پھوڑتا ہے کیا اور کیوں کے سوالات کرتا ہے یہ سب اس کی تجسس آمیز فطرت اور ادراک حقیقت کے جذبے کے تحت ہی ہوتا ہے، عمر کے ساتھ ساتھ یہ جذبہ بھی پروان چڑھتا ہے اور رفتہ رفتہ تحقیقی صلاحیت میں ڈھل جاتا ہے، اب اگر انسان اپنی اس صلاحیت کا استعمال کرتا ہے تو دن بدن اسمیں ترقی ہوتی جاتی ہے جس کی بدولت وہ بڑے کارنامے انجام دینے کا اہل ہو جاتا ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جنگلوں اور پہاڑوں میں زندگی گزارنے والا انسان آج چاند پر پہونچ چکا ہے اور روز بروز نت نئی ایجادات و اکتشافات کرتا جا رہا ہے۔ منجملہ دیگر تحقیقات کے علمی تحقیق بھی دن بدن آگے بڑھتی جا رہی ہے اور آج اس نے ایک فن کی حیثیت حاصل کر لی ہے، اس کے اصول و ضوابط بھی مرتب کئے جا رہے ہیں اور اس پر مستقل کتابیں بھی لکھی جا رہی ہیں۔ آخر میں ہم کچھ کتابوں کا ذکر کریں گے۔

تحقیق کا مفہوم تحقیق نام ہے حقیقت کی تلاش و جستجو کا، اثبات کا پردہ ہٹانے کا، نامعلوم سے معلوم کی طرف پہونچنے کا۔ انگریزی میں اس کے لئے لفظ RESEARCH استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں دوبارہ ڈھونڈنا، مطلب یہ ہے کہ حاصل شدہ معلومات کی روشنی میں حقیقت تک پہونچنے کی کوشش کرنا۔ قریب قریب یہی اس کا اصطلاحی معنی بھی ہے۔ قرآن کریم میں اس کے لئے لفظ "تبین" آیا ہے جیسا کہ فرمایا گیا "ان جاءکم فاسق بنبإ فتبینوا"[۲]

۱؎ ایس، آئی ایم فلاح یونٹ کی جانب سے منتخب طلبہ کیلئے "تحقیق کیسے کریں" کے موضوع پر ۲۳، ۲۴ جولائی ۱۹۸۸ء جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ میں پنج روزہ لیکچرس سریز چلایا گیا۔ یہ مقالہ بھی اسی کی ایک کڑی ہے جسے جزوی ترمیم کے بعد افادۂ عام کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔

۲؎ الحجرات: ۶

تحقیق کے لئے لفظ "بحث" بھی استعمال ہوتا ہے اس کے معنی "کھودنے" کے آتے ہیں۔ چونکہ تحقیقی کام بھی ایک طرح کی کوہ کنی ہی ہے اس طرح دونوں میں کافی مناسبت ہے۔

تحقیقی کام کے لئے مندرجہ ذیل چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

آمادگی طبع اور دلچسپی۔ پرسکون علمی ماحول۔ لائبریریاں اور کتب خانے۔ نگراں۔ محقق کی مطلوبہ صفات۔

آمادگی طبع اور دلچسپی وادیٔ تحقیق میں قدم رکھنے سے پہلے اپنے آپ کو جانچ لینا چاہیئے کہ وہ اس کے نشیب و فراز سے نبرد آزما ہونے کی ہمت و صلاحیت رکھتا ہے کہ نہیں۔ مبادا بیچ راہ میں تھک کر بیٹھ تو نہیں جائیگا۔ کیونکہ یہ کام "کوہ کنی" کرکے "جوئے شیر" لانے کے مرادف ہے۔ اس کے لئے بڑی "جگر کاوی اور سخت جانی" کی ضرورت ہے۔

پرسکون علمی ماحول بلا شبہ علمی و تحقیقی کام کرنے کیلئے ماحول کی سازگاری بھی ناگزیر ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ماحول پرسکون اور علمی ہو تاکہ ہر طرف سے یکسو ہو کر پڑھنے لکھنے اور غور و فکر کرنے میں آسانی ہو اس لئے مناسب ہے کہ بازار اور بھیڑ بھاڑ کی جگہوں سے دور ہو نیز غیر علمی ہنگاموں سے بھی پاک ہو۔

لائبریریاں اور کتب خانے تحقیقی کام کیلئے لائبریریوں کا وجود انتہائی ناگزیر ہے۔ یوں تو ایک محقق لائبریریوں کے علاوہ دیگر بہت سی جگہوں سے مواد اکٹھا کرتا ہے جیسے اہل علم سے ذاتی ملاقاتوں کے ذریعہ، خط و کتابت کے ذریعہ اور دوسرے سمعی و بصری وسائل کے ذریعہ، مگر سب سے بڑا ذریعہ اور وسیلہ اس کیلئے لائبریریاں اور کتب خانے ہیں۔ انکی حیثیت "علمی اسٹور روم" کی ہے جہاں سے ایک طالب علم کو بہت کچھ کے علاوہ اس کے مفید مطلب مواد بھی مل جاتے ہیں

جن کے سہارے وہ اپنی تحقیق کو آگے بڑھاتا ہے۔

یہ لائبریریاں محققین کو بہت کچھ دیتی بھی ہیں اور پھر انہیں کی کاوشوں سے اپنے دامن کو بھرتی بھی ہیں۔ آخر میں ہم ہندوستان کی کچھ اہم لائبریریوں کا ذکر کریں گے۔

نگراں ابتدا میں تحقیقی کام کی دیکھ بھال کے لئے ایسے نگراں استاد کا ہونا ضروری ہے جو طالبعلم کو صحیح ڈائرکشن دیتا رہے اور اسکو بھٹکنے سے بچائے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ نگراں فن تحقیق کا ماہر ہو۔ اس نے خود تحقیق کی ہو۔ اس کے پاس اتنا وقت ہو کہ وہ طالب علم کی وقتاً فوقتاً مناسب رہنمائی کرتا رہے، وہ اتنا مشغول نہ ہو کہ طالبعلم کو وقت نہ دے سکے۔ بقول پروفیسر کلب عابد صاحب "ایسے مشغول ماہر فن کی مثال اس پانی سی ہے جو کنویں کی تہ میں لہریں لے رہا ہو اور جگت پر پیاسا حسرت سے دیکھتا رہے"[لہ]

طالب علم کو چاہیئے کہ وہ اپنے نگراں کو یہ یقین دلادے کہ وہ واقعی تحقیقی کام کرنا چاہتا ہے۔ اس کے لئے وہ ہر طرح کی محنت کرنے کو تیار ہے اور یہ ثابت کردے کہ اسے تحقیقی کام سے دلچسپی ہے وہ مارے باندھے یہ کام نہیں کر رہا ہے یا یہ کہ وہ محض سند لینے کے لئے یہ کام نہیں کر رہا ہے۔

ایک نگراں کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ انتہائی توجہ سے مقالہ نگار کے کاموں کا جائزہ لیتا رہے اور اس کو مناسب ہدایات و مشورے دیتا رہے اور بس بقیہ سارا کام مقالہ نگار کو خود کرنا ہے اس میں وہ نگراں سے کسی عملی تعاون کا متوقع نہ ہو۔

محقق کی مطلوبہ صفات محقق کی مثال شہد کی مکھی کی ہے، جس طرح شہد کی مکھی مختلف پھولوں سے رس چوس کر انتہائی عمدہ اور قیمتی شہد بناتی ہے اسی طرح ایک محقق مختلف کتابوں سے مفید مطلب مواد جمع کرکے بہترین تصنیف پیش کرتا ہے۔

لہ عادات التحقیق مطبوعہ فیکلٹی آف تھیالوجی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سنہ ۱۹۷۸ء ص ۴۶

ایک اچھا محقق مندرجہ ذیل صفات کا حامل ہوتا ہے :-

وہ انتہائی محنتی اور دھن کا پکا ہوتا ہے ۔

اس کا مطالعہ وسیع، نظر مجتہدانہ اور ذہن منطقی و استنباطی ہوتا ہے ۔

اسکے اندر یک گونہ تنقیدی صلاحیت ہوتی ہے جس سے وہ کھرے کھوٹے کی تمیز کرتا ہے اس کے اندر اعتدال پسندی اور غیر جانبداری ہوتی ہے ۔

وہ حقائق کے اظہار سے دریغ نہیں کرتا خواہ وہ اس کے موقف کے خلاف ہی کیوں نہ ہو ۔

وہ اندھا مقلد نہیں ہوتا جو دوسروں کی رائے سے فوراً متاثر ہو جاتا ہو ۔

وہ مناظر نہیں ہوتا جو اپنے مفروضات کے ثبوت میں دلائل و شواہد ڈھونڈتا پھرے ۔

وہ صبر و ضبط کا خوگر ہوتا ہے ۔

وہ زبان و بیان پر پوری قدرت رکھتا ہے اور بہت صاف لفظوں میں اپنے مافی الضمیر کو ادا کرتا ہے ۔

مراحل تحقیق

وسائل تحقیق میسر ہو جانے کے بعد تحقیقی کام کا آغاز ہوتا ہے اور کئی مرحلوں سے گزر کر پایۂ تکمیل کو پہونچتا ہے ۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ چند مراحل کا ذکر کیا جا رہا ہے

موضوع کا انتخاب

تحقیقی مقالے کیلئے موضوع کا انتخاب سب سے پہلا اور بنیادی کام ہے یہ بنیاد کی وہ "خشت اول" ہے کہ اگر "کج" ہو جائے تو "ثریا" تک "دیوار" کج ہی جائے گی، اس سلسلے میں اپنے نگراں سے مشورہ کر لینا چاہئے اور یہ اطمینان کر لینا چاہئے کہ اختیار کردہ موضوع میں کوئی جدت و افادیت ہے کہ نہیں ۔ اس سے اس کو دلچسپی ہے کہ نہیں ۔ اس سے متعلق مواد اس کی دسترس میں ہے یا نہیں ۔ یا وہ اس موضوع کا حق ادا کر سکتا ہے یا نہیں ؟

خاکہ بنانا

جب ہر طرف سے اطمینان ہو جائے تو اختیار کردہ موضوع کا خاکہ بنانا

چاہئے ۔" خاکہ ترجمہ ہے انگریزی لفظ SYNOPSIS کا اس کے لغوی معنی ہیں ایک ساتھ نظر ڈالنا SYN یعنی ایک ساتھ اور OPSIS کے معنی دیکھنا؎ ۔ چونکہ خاکہ پر ایک نظر ڈالکر پورے مقالے میں پیش کئے جانے والے مواد کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اس لئے اس کو SYNOPSIS کہتے ہیں ۔

مقالہ کیلئے خاکہ بنانا ایسا ہی ہے جیسے مکان بنانے سے پہلے اس کا نقشہ تیار کرنا ۔ خاکہ بنانے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے سے موضوع سے متعلق کچھ معلومات حاصل ہوں ۔ پھر ایک اندازے کے مطابق کچھ ابواب و فصول متعین کر لی جائیں اور انکے مطابق مواد جمع کیا جائے ہو سکتا ہے مواد جمع کرنے کے بعد خاکے میں رد و بدل کرنا پڑے ، ایسا بہت ممکن ہے کیونکہ موضوع سے متعلق جیسے جیسے معلومات کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے خاکے میں حذف و اضافے کی ضرورت محسوس ہوتی رہتی ہے ۔

مواد جمع کرنا

خاکے میں قائم کردہ ابواب و فصول کے مطابق موضوع سے متعلق مصادر و مراجع کا مطالعہ کیا جائے ، جس باب کی جس فصل سے متعلق مواد ملے ان کو اسی کے تحت حوالوں کے ساتھ لکھا جائے ۔ مصادر کی تلاش میں مختلف معاجم (انسائیکلوپیڈیاز) علمی اور تحقیقی مقالات اور جدید طرز پر لکھی ہوئی کتابوں سے مدد ملتی ہے کیونکہ ان میں حوالہ جات کی مفصل فہرست ہوتی ہے ۔

بڑے بڑے مطابع ، کتب خانوں اور لائبریریوں کی فہرست کتب پر نظر ڈالی جائے نیز ان سمیناروں کی فہرست کو بھی دیکھ لیا جائے جو موضوع سے متعلق ہوں ۔

سب سے پہلے اہم اور اصلی مراجع کا مطالعہ کرنا چاہئے ۔ اگر کسی مخطوطے میں موضوع سے متعلق کوئی بات مل جائے یا کسی نایاب کتاب سے استفادہ کرنا ممکن ہو تو ضرور کرنا چاہئے کہ اس سے مقالے کی قدر و قیمت میں اضافہ ہو جاتا ہے ۔

دوران مطالعہ موضوع سے متعلق جو باتیں ملیں ان کو احتیاط سے الگ الگ

؎ پروفیسر گیان چند جین ، تحقیق کا فن مطبوعہ اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ ۱۹۹۰ء ص ۱۰۹

نوٹ کرلینا چاہیئے کوئی بات غیر اہم سمجھ کر چھوڑ نہیں دینا چاہیئے، ہوسکتا ہے بعد میں اس کی ضرورت محسوس ہو، اور اسکا حاصل کرنا مشکل ہو۔

اہم اور اصلی مراجع سے استفادہ کرنے کے بعد موضوع سے متعلق جہاں کہیں بھی کچھ لکھا گیا ہو اسکو حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ اس سلسلے میں حتی الامکان کوئی کسر نہیں چھوڑنی چاہیئے ہوسکتا ہے کسی غیر اہم پرچے یا رسالے سے کوئی اہم بات معلوم ہو جائے

مواد کی فراہمی کے سلسلے میں اپنے نگراں کے علاوہ دوسرے اہل علم سے گفتگو بھی بہت مفید ثابت ہوتی ہے۔ بالمشافہ گفتگو نہ ہوسکے تو خط وکتابت کر کے مستفید ہونا چاہیئے۔ سب نہیں تو کچھ تو ضرور آپ کو تعاون دینے میں دلچسپی لیں گے۔ البتہ دیگر اہل علم سے حاصل کردہ معلومات کو اپنے نگراں کے سامنے بھی ضرور لانا چاہیئے اور ان سے توثیق کرا لینا چاہیئے۔

مطالعہ کرنا اور نوٹ لینا

ایک مقالہ نگار کو بہت ساری کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے اب اگر وہ تمام کتابوں کو بالاستیعاب پڑھنے لگے تو اس کے لیئے کافی مدت درکار ہوگی۔ اس لیئے یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں کہ وہ تمام کتابوں کا تفصیلی مطالعہ کرے۔ بلکہ ایک سرسری نگاہ پوری کتاب پر ڈال کر یا فہرست ابواب وفصول کو دیکھ کر اپنے موضوع سے متعلق مقامات کا مطالعہ کرے پھر ان کو پورے حزم و احتیاط کیساتھ نوٹ کر لے، ساتھ ہی کتاب کا نام، مصنف کا نام، مطبع سن طباعت اور صفحہ نمبر بھی لکھ لے۔

نوٹ کیلئے دو سسٹم رائج ہیں ایک کارڈ سسٹم دوسرا رنگ فائل سسٹم دونوں میں سے جو اختیار کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔

نوٹ لیتے وقت اس کا خیال رہے کہ ابواب وفصول کے اعتبار سے الگ الگ گروہ بندی کر دی جائے، اور ویسے ہی ان کے تحت حاصل شدہ مواد کو ترتیب سے رکھا بھی جائے۔ ایک کارڈ یا ایک صفحہ پر دو طرح کے نوٹ ہرگز نہ لیے جائیں اس سے بعد میں

بہت دشواری ہوتی ہے۔

تسوید تحقیق

جمع شدہ مواد کو مسودہ کی شکل میں ڈھالنے کو تسوید کہتے ہیں، اس مرحلہ میں محقق کی حیثیت ایک معمار کی ہو جاتی ہے۔ جس طرح ایک معمار اینٹ، مٹی اور گارے چونے کے جمع ہو جانے کے بعد اپنے فن تعمیر کے ذریعہ بہتر سے بہتر عمارت تیار کرتا ہے، بالکل اسی طرح ایک محقق بھی مواد جمع ہو جانے کے بعد اپنی تنقیدی و تحقیقی صلاحیت کے ذریعہ بہتر سے بہتر تصنیف پیش کرتا ہے۔

مقالہ نگار کو چاہیئے کہ جمع شدہ مواد کو مسودہ کی شکل میں ڈھالنے سے پہلے زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرے، ہر چند کہ اس کو تمام کتابوں کا تفصیلی مطالعہ نہیں کرنا ہے تاہم موضوع سے متعلق مواد کا مطالعہ تو کرنا ہی چاہیئے اور پوری توجہ انہماک، گہرائی، گیرائی اور تنقیدی بصیرت کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ جب طبیعت لکھنے کیلئے مضطرب و بے چین ہو جائے تو لکھنا چاہیئے۔ بقول سید سلیمان ندویؒ: "خوب پڑھو، خوب پڑھو، یہاں تک کہ بہنے لگے، جب بہنے لگے تو لکھو"

لکھنے میں زبان انتہائی سادہ، صاف اور سلیس استعمال کرنا چاہیئے کہ مبالغہ آمیزی اور خواہ مخواہ کی عبارت آرائی و رنگین بیانی سے پرہیز کرنا چاہیئے کہ اس سے تحقیقی مقالے کا وزن کم ہو جاتا ہے۔

ایک کامیاب محقق کی پہچان یہ ہے کہ وہ مختلف جگہوں سے حاصل کئے ہوئے مواد کو اپنے طور پر اس طرح پیش کرے کہ وہ اس کا کارنامہ بن جائے

تبییض تحقیق

آخری مرحلہ مسودہ کو صاف (FAIR) کرنے اور آخری شکل دینے کا ہے، اسکو تبییض کہتے ہیں۔ اس میں پیراگراف اور اعراب و علامات تحریر وغیرہ درست کر لینا چاہیئے۔

تحریر میں اعراب، علامتیں اور رموز و اوقاف وغیرہ کی بہت اہمیت ہے اس

ـــ ان کا اضافہ ضرور کرنا چاہئے۔

فن تحقیق پر لکھی گئیں کچھ کتابوں کے نام

۱۔ ڈاکٹر احمد شبلی مصری: کیف تکتب بحثا او رسالۃ
۲۔ عبدالرحمٰن عمیرہ: اضواء علی البحث والتحقیق
۳۔ پروفیسر کلب عابد: عماد التحقیق مطبوعہ فیکلٹی آف تھیالوجی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ۔ ۱۹۷۸ء
۴۔ ڈاکٹر گیان چند: تحقیق کا فن۔ اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ ۱۹۹۰ء
۵۔ عبدالرزاق قریشی: مبادیات تحقیق مطبوعہ بمبئی ۱۹۶۸ء
۶۔ ڈاکٹر شمیم اختر: تحقیق کے طریقۂ کار ۱۹۸۵ء یا ۱۹۸۶ء
۷۔ ڈاکٹر عبدالستار دلوی: ادبی اور لسانی تحقیق: اصول اور طریقۂ کار (مجموعہ مضامین) مطبوعہ بمبئی
۸۔ رشید حسن خاں: ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ (مجموعہ مضامین)
۹۔ ڈاکٹر خلیق انجم: متنی تحقیق۔ ۱۹۶۷ء
۱۰۔ ڈاکٹر تنویر احمد علوی: اصول تحقیق و ترتیب متن ۱۹۷۷ء
۱۱۔ خدا بخش لائبریری سمینار کا مجموعہ "تدوین متن کے مسائل" یہ سمینار دسمبر ۱۹۸۱ء میں ہوا تھا۔
۱۲۔ ایلٹک: دی آرٹ آف لٹریری ریسرچ (انگریزی)

ہندوستان کی کچھ اہم لائبریریوں کے نام

۱۔ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری۔ پٹنہ
۲۔ مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
۳۔ رضا لائبریری۔ رام پور
۴۔ اسٹیٹ سنٹرل لائبریری (آصفیہ لائبریری) حیدرآباد
۵۔ دائرۃ المعارف، عثمانیہ یونیورسٹی۔ حیدرآباد

۶۔ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال لائبریری۔ کلکتہ۔
۷۔ اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن۔ بمبئی
۸۔ ایشیاٹک سوسائٹی آف بامبے۔ بمبئی
۹۔ انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز۔ ہمدرد دواخانہ (وقف) دہلی
۱۰۔ ٹیگور لائبریری، لکھنؤ یونیورسٹی۔ لکھنؤ
۱۱۔ لائبریری دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ
۱۲۔ لائبریری دارالعلوم دیوبند۔
۱۳۔ ٹونک اورینٹل منسکرپٹ لائبریری۔ ٹونک
۱۴۔ دارالمصنفین۔ اعظم گڑھ

غزل

ابوالمجاہد زاہد

زہد و تقویٰ، خوف و خشیت کچھ نہیں ؛ کیا ہے یہ میری عبادت کچھ نہیں
خود بخود قائم ہے یہ نظم جہاں ؛ اس فسانے کی حقیقت کچھ نہیں
قوم جب ہو جائے نذرِ انتشار ؛ پھر تو اس کی قدر و قیمت کچھ نہیں
کان جس کے بند ہوں اس کے لئے ؛ وعظ و تذکیر و نصیحت کچھ نہیں
امر معروفات و نہی منکرات ؛ یہ نہیں تو خیر امت کچھ نہیں
کیجئے تبلیغ حق کردار سے ؛ اس سے بڑھ کر کار دعوت کچھ نہیں
ہاتھ میں قرآن بھی ہو تلوار بھی ؛ اور دین حق کی نصرت کچھ نہیں
شوق تزئین مساجد بڑھ گیا ؛ ذوق تحسین عبادت کچھ نہیں
صرف تقویٰ اللہ بس خوف خدا ؛ اور معیار شرافت کچھ نہیں

اب وہ شامل ہیں ضروریات میں
جن کی اتنے صد ضرورت کچھ نہیں

اخبار علمیہ

ابن المسلم فلاحی

ہالینڈ کی زبان میں ترجمۂ قرآن

حال ہی میں ایک مستشرق فریڈرک ...... نے تفسیر ابن کثیر، تفسیر زمخشری جیسے مستند ترین ماخذ کو سامنے رکھ کر ہالینڈی زبان میں ایک ترجمہ تیار کیا ہے۔ مترجم نے ترجمہ کی تقریب بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہالینڈ میں نصف ملین مسلم آبادی کو مد نظر رکھ کر یہ کام کیا گیا ہے تاکہ انہیں معلوم ہو سکے کہ قرآن کریم کی تعلیمات کیا ہیں۔

(التضامن الاسلامی محرم ۱۴۱۳ھ)

مغرب میں ایک جدید انسائیکلوپیڈیا کی تدوین کا منصوبہ

مراکش میں قائم علوم اسلامیہ کی محافظ اکیڈمی نے ایک جدید اسلامی انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب کا منصوبہ بنایا ہے جو مذہب اسلام کے ہر جہت پہلوؤں سے بحث کرے خصوصاً اس کو تاریخی اور قانونی تہذیبی نقطۂ نظر سے محققین و مصنفین کے لئے مرجع کی حیثیت حاصل ہو۔ یہ انسائیکلوپیڈیا تقریباً ۲۰ ضخیم جلدوں میں آسکے گی اور ہر جلد ایک ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہوگی اس کی تکمیل کے بعد پھر اسکے تراجم مختلف بین الاقوامی زبانوں میں شائع کیے جائیں گے۔ (تعمیر حیات لکھنؤ ۱۰ ستمبر ۱۹۹۲ء)

دہلی کی نوخیز فقہ اکیڈمی کا ایک جرأت مندانہ اقدام

ماضی قریب میں قاضی بہار و اڑیسہ جناب مولانا مجاہد الاسلام صاحب نے فقہ و افتاء کے میدان میں افراد سازی کیلئے دہلی میں فقہ اکیڈمی کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے۔ اکیڈمی نے فقہ اسلامی سے متعلق مختلف علمی و تحقیقی موضوعات و مسائل پر کام کرنے کیلئے ایک جامع دو سالہ کورس کی تشکیل کی ہے اور کام کرنے والوں کی یکسوئی بحال رکھنے کیلئے قیام و طعام کے ساتھ ساتھ معقول اسکالرشپ کی بھی ذمہ داری اپنے سر لی ہے۔

صدر "اکیڈمی فقہ اسلامی" جناب مجاہد الاسلام صاحب نے اس میں داخلہ لینے والوں کے سلسلہ میں وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ خواہشمند حضرات اپنا مکمل پتہ اور اپنی علمی لیاقت سے متعلق جملہ کاغذات اکیڈمی کے پتہ پر ارسال کریں تاکہ داخلہ کی کارروائی ہو سکے کیونکہ داخلہ کی میعاد قریب با ختتام ہے۔ (تعمیر حیات ۲۵ ستمبر ۱۹۹۲ء)

ملک کے ۴۲ فیصد سکنڈری اسکولوں میں سائنسی تجربہ گاہ نہیں ہے

نئی دہلی ۲۸ ستمبر (وارتا) ملک کے ۵۶ ہزار ۵۱۵ سکنڈری اسکولوں میں سے ۴۲ فیصد میں سائنسی تجربہ گاہ (لیبوریٹری) نہیں ہیں۔

قومی تعلیمی ریسرچ اور تربیتی بورڈ کے ذریعہ کرائے گئے پانچویں آل انڈیا تعلیمی سروے سے یہ بات روشنی میں آئی۔ سروے کے مطابق آسام، منی پور اور تری پورہ کے ۹۵ فیصد سکنڈری اسکولوں میں سائنس کیلئے کوئی لیبوریٹری نہیں ہے۔

سروے سے معلوم ہوا ہے کہ ملک میں ۴۸ء۱۳ فیصد اسکولوں میں سائنس مضمون کیلئے مشترکہ لیبوریٹریز ہیں۔ جبکہ صرف ۱۲ء۹۸ فیصد اسکولوں میں ہی ان مضمون کے لئے علیحدہ لیبوریٹریز ہیں۔

اروناچل پردیش، سکم، چنڈی گڑھ، اور دہلی کے ۳۰ فیصد سے زائد سکنڈری اسکولوں میں فزکس، کیمسٹری اور بائلوجی کیلئے الگ الگ لیبوریٹریز ہیں، جبکہ دادر نگر حویلی اور دمن دیپ کے سکنڈری اسکولوں میں ایسی ایک بھی لیبوریٹری نہیں ہے۔ (آواز ملک ۲۹ ستمبر ۱۹۹۲ء)

امریکی طلباء میں شراب نوشی

واشنگٹن، محققین نے بتایا ہے کہ امریکی کالجوں کے کم نمبروں سے پاس ہونے والے طلباء ہفتہ میں اوسطاً گیارہ مرتبہ شراب پیتے ہیں گویا آنرز کے طلباء کی بہ نسبت تین گنا زیادہ ... [illegible] طلباء کی سروے رپورٹ میں مطالعہ کی دستاویز شائع کی گئی جس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ چھوٹے اسکولوں کے طلباء [illegible] کے مقابلہ میں زیادہ شراب پیتے ہیں۔

سدرن الینوائس یونیورسٹی اور کالجوں [illegible] کے محققین نے مطالعہ کے ان نتائج کا تجزیہ کیا جو ۱۹۸۹۔۹۰ء کے دوران ۸۰ کیمپسوں میں اکٹھے کئے گئے۔ (... ۲۵ ستمبر ۱۹۹۲ء)

ترانہ

شبنم سبحانی

برائے طالبات جامعۃ الفلاح

ہے مری ملت بیمار کا درمان فلاح
چشم یعقوب میں جوں یوسف کنعان فلاح
ہم بھی کیا سارے زمانے پہ ہے احسان فلاح

مرحبا مرحبا حسن سحر و شام فلاح
مہبط جلوۂ ایمن ہے در و بام فلاح
چل پڑی خلق خدا باندھ کے احرام فلاح

تیری محرابیں ہیں یا شاخ گلستان ارم
تیرے طاقوں پہ ضیا بار ہے قندیل حرم
ضرب توحید سے لرزاں ہیں جہالت کے صنم

کہکشاں کس نے بچھا دی ہے تری راہوں میں
بجلیاں کوندتی ہیں تیری خرد گاہوں میں
علم و حکمت کا وہ خرمن ہے تری بانہوں میں

گونجتی یوں ہے فضاؤں میں تری بانگ اذاں
جس طرح دست مجاہد میں کڑکتی ہے کماں
لشکر وہم و گماں کو نہیں ملتی ہے اماں

تو نے سکھلایا کہ ہم کیسے بنیں فخر بتول
دل جو شیدا ہے پیمبر ہو تو جاں نذر بتول
موڑ دیں گردش دوراں کا بھی رخ بہر بتول

خوشہ چیں ہیں مہر و پروین بھی ترے خرمن کی
جس طرف دیکھئے خوشبو ہے ترے گلشن کی
کتنی جاں بخش ہوائیں ہیں ترے دامن کی

سخن حق نے سرفراز کیا ہے ہم کو
غیرت دین نے جانباز کیا ہے ہم کو
ذوق پرواز نے شہباز کیا ہے ہم کو

مسند علم ہے عزت نہیں خدمت کیلئے
طلب فضل ہے اسلام کی شوکت کیلئے
کاوش شام و سحر دین کی رفعت کیلئے

گردن کفر پہ چلتی ہوئی تلوار ہیں ہم
عصر حاضر کیلئے نور کے مینار ہیں ہم
گرم گفتار نہیں غازی کردار ہیں ہم

ہم ہیں سرشار یقیں رہرو اسرا کی طرح
گو ہیں کمیاب ابھی لالۂ صحرا کی طرح
پھر بھی تابندہ ہیں پیشانی زہرا کی طرح

فیض سے تیرے ہوا جوہر ایماں کا خیال
اپنی زینت ہی نہیں زینت دوراں کا خیال
ظلم کے سیل میں بھی عدل فراواں کا خیال

کاش پھر گونج اٹھے گلبانگ سحر آفاق
اہل ایماں کے مقدر کی عشا ہو اشراق
اسی جذبے سے ہیں معمور ترے صحن و رواق

اے خدا ہم کو بنا گوہر شایان فلاح
ہم نہیں مزرع دیں کیلئے باران فلاح
کہے دنیا کہ یہ لو آئے سفیران فلاح

جامعہ کے لیل و نہار

محمد اسمٰعیل فلاحی

کلیۃ البنات جامعۃ الفلاح میں تدریسی تربیتی کیمپ

پہلے سے طے شدہ پروگرام کیمطابق ۱۱ر ستمبر ۹۲ کو جامعۃ الفلاح کی خواہش پر اترپردیش فلاح عام سوسائٹی کی جانب سے جامعہ میں معلمات کے تدریسی تربیتی کیمپ کا افتتاح تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ مولانا ظہیر عالم فلاحی نے اس موقع پر فرمایا "معروفات کا فروغ اور منکرات کا ازالہ، نماز کی اقامت، زکوٰۃ کی ادائیگی اور پوری زندگی میں اللہ و رسول کی اطاعت، مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی فریضہ ہے"۔

جناب حافظ منصور عالم صاحب سکریٹری سوسائٹی نے سوسائٹی کا تعارف کراتے ہوئے نادار بچوں کی تعلیم و تربیت، غریبوں کا علاج و معالجہ، نادار اور یتیم لڑکیوں کی شادی اور ضرورتمندوں کو بلا سودی قرض فراہم کرنا، نیز مکاتب کے معیار تعلیم کو بلند کرنے کیلئے تدریسی تربیتی کیمپ کا انعقاد، سوسائٹی کے اغراض و مقاصد میں قرار دیا۔ صدر جامعہ مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی نے قرآن و حدیث کی روشنی میں علم کی اہمیت اجاگر کی اور بتایا کہ خدا کی معرفت اور اس کا خوف علم کے بغیر پیدا نہیں ہوتا ہے۔ دنیا میں عزت و غلبہ اہل علم ہی کے لئے ہے۔ ماضی میں عورتوں کو علم سے محروم رکھا گیا، اسلام نے عورتوں کیلئے بھی حصول علم ضروری قرار دیا، معاشرتی اصلاح اور سماجی ترقی اسی وقت ممکن ہے جب عورتیں زیور علم سے آراستہ ہوں۔

ابتداء میں شرکائے کیمپ کی تعداد ۹۲ بعد میں یہ تعداد ۱۰۲ تک آگئی۔ جناب محمد اشفاق احمد صاحب سکریٹری تعلیمات جماعت اسلامی ہند و سابق صدر ایس آئی او، ماسٹر اطہر بیگ، محمود ماسٹر تاج محمد صاحب فیض آباد، جناب نصرت اللہ صاحب ناظم علاقہ لکھنؤ۔ طیبہ آپا ناظمہ حلقہ خواتین یوپی، شاہین فاطمہ صاحبہ اورنگ آباد، اور راشدہ شمسی صاحبہ پرنسپل جامعۃ الصالحات رامپور، کی خدمات اس کیمپ کو حاصل رہیں، پہلے سے تیار ویڈیو کیسٹ سے بھی استفادہ کیا گیا۔

ابتدائی پندرہ ایام اسلامیات، فلسفہ تعلیم، تعلیمی نفسیات، تنظیم کلاس اور طریقہ تدریس

وغیرہ اور پر نظری تعلیم ہوتی رہی، بقیہ ایام میں پریکٹیکل اور امتحان ہوا۔

سکریٹری تعلیمات جناب محمد اشفاق احمد صاحب سے کیمپ کے علاوہ بھی استفادہ کیا گیا، طلبہ و اساتذہ کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی متعدد ملاقاتیں رہیں، مختلف پروگراموں میں موصوف کے خطاب بھی ہوئے۔

۱۷ر اکتوبر ۹۲ کو کیمپ کا اختتامی پروگرام ہوا۔ اس میں جناب تاج محمد صاحب، مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب، مولانا کوثر یزدانی صاحب امیر حلقہ جماعت اسلامی ہند دہلی پردیش، مولانا محمد رفیق قاسمی صاحب امیر حلقہ یوپی اور ناظم کیمپ مولانا مطیع اللہ فلاحی صاحب نے اظہار خیال فرمایا۔ تاج محمد صاحب نے کہا سارے انقلابات کے پیچھے اساتذہ کا رول بلاواسطہ یا بالواسطہ رہا ہے، صالح انقلاب لانے کیلئے اساتذہ کا رول بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی نے فرمایا، جماعت اسلامی اس حقیقت کو اچھی طرح جانتی ہے کہ ذہنوں میں انقلاب لائے بغیر کوئی پائیدار انقلاب نہیں آسکتا۔ جماعت اسلامی ذہن سازی کا کام بڑی یکسوئی سے کر رہی ہے۔ اس نے خواتین کی جانب بھی توجہ کی ہے اور ضرورت پڑنے پر لاکھوں مردوں کی طرح لاکھوں عورتوں کو بھی میدان میں کھڑا کر سکتی ہے۔ جماعت اسلامی ہند کی سرپرستی میں اترپردیش فلاح عام سوسائٹی کی اس جانب توجہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

مولانا کوثر یزدانی امیر حلقہ اترپردیش نے تعلیم کے مقابلہ میں تربیت کو مشکل معاملہ قرار دیا، کہا سچ بولنے کی تلقین کے پہلے خود سچ بولئے، نماز کی تعلیم دینے کے پہلے نماز سے خود عشق پیدا کیجئے۔ آپ جس طرح کی تعلیم دینا چاہتی ہیں وہ آپ کی زندگی کا مشن ہونے کے ساتھ آپ کی خواہش بھی ہے کہ جو چیز آپ کی نگاہوں میں صحیح ہے وہ آپ کے بچوں کے دل و دماغ میں اتر جائے۔ مولانا کوثر یزدانی نے دین کی دعوت و اشاعت میں عورتوں کی ذمہ داری بطور خاص یاد دلائی انہوں نے کہا ہندو دھرم کے باقی رکھنے اور اس کے احیاء میں عورتوں کا زیادہ ہاتھ ہے آج غیر مسلم معاشرہ میں عورت کی قیمت ایک بوتل مٹی کا تیل ہے۔ موصوف نے بتایا کہ ہمارے ایک رفیق دہلی میں بس پر سفر کر رہے تھے۔ ایک طالبہ بغل میں آکر بیٹھ گئی اس نے خود تعارف کی ابتداء کی۔ پھر کہا پڑھنے لکھنے کے باوجود ہمارا اسی طرح استحصال ہو رہا ہے ہمارا مستقبل مٹی کا ایک بوتل تیل ہے اس استحصال میں پورا معاشرہ شریک ہے ہمارے رفیق نے اسلام . . . .

یں عورتوں کے حقوق کا تذکرہ کیا وہ چونک پڑی لیکن اعتراض کیا کہ پریس تو اسلام کی کچھ اور ہی نمائندگی کرتا ہے' اس طالبہ سے ربطے کے نتیجہ میں پتہ چلا کہ دو درجن لڑکیاں اسی طرح بیتاب ہیں، اس لئے مسلم خواتین کی ذمہ داری ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور ان کے سامنے اسلام کا صحیح تعارف کرائیں

امیر حلقہ اترپردیش جناب محمد رفیق قاسمی صاحب نے بتایا کہ یہ اب تک کا آٹھواں اور معلمات کا دوسرا تدریسی تربیتی کیمپ ہے' فن تدریس کیلئے بہت سے ادارے حکومتیں چلانے پر چلتے ہیں لیکن احساس ذمہ داری اور اخلاق کی بلندی وہاں کہاں۔ یہاں فنی مہارت کے ساتھ اللہ سے تعلق / رسول کی تعلیمات پر عمل کا جذبہ اور کردار کی بلندی کی جانب آپ کی توجہ مبذول کرائی گئی ہے مساوات مرد و زن کے کھوکھلے نعرے کے بھیانک نتائج کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ عورت جب اس راستے پر چل پڑتی ہے اور پھر جب سنگینی کا احساس ہوتا ہے تو واپس آنا بھی مشکل اور وہاں رہنا بھی دشوار۔ مولانا قاسمی نے بتایا کہ کسی بھی تعلیمی ادارے کے تینوں اجزاء طلبہ / اساتذہ اور انتظامیہ میں دینی جذبہ موجود پھر وہ ادارہ رحمت بنتا ہے ورنہ زحمت بن جاتا ہے' اگر تینوں میں سے کسی ایک کے اندر یہ جذبہ کم ہو جائے یا نہ پایا جائے تو پھر وہاں کشمکش کا آغاز ہو جاتا ہے ہندستان میں بالخصوص اترپردیش میں تعلیمی نظام پر جس طرح ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے اور تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے یہ ایک سنجیدہ معاملہ ہے اس تناظر میں ہمارے تعلیمی اداروں کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے۔

ناظم کیمپ مولانا مطیع اللہ صاحب فلاحی نے سوسائٹی کے فاضل اساتذہ اور فاضل معلمات کی جانفشانی کو سراہتے ہوئے معذرت کی کہ ہم ٹوٹا پھوٹا انتظام ہی کر سکے طالبات و معلمات سب نے جس سنجیدگی' لگاؤ تعلق خاطر اور احساس ذمہ داری کا مظاہرہ کیا، اس پر وہ قابل مبارکباد ہیں۔ دنیا کا علم جس طرح چاہیں حاصل کر سکتے ہیں لیکن علم دین کیلئے پاکیزگی اور معصیت سے اجتناب شرط لازم ہے۔ ہمارے حوالے بچے اور بچیاں دراصل یہ جنت کے پھول ہیں، پھول نازک ہوتا ہے۔ اگر ان کی صحیح حفاظت و نگہداشت ہو تو دنیا ان پھولوں سے معطر ہوگی لیکن کوتاہی کے نتیجہ میں یہ پھول کانٹوں میں تبدیل ہو کر چور ڈاکو بن سکتے ہیں۔

تقسیم شعبہ جات

مقامی فلاحیوں کی میٹنگ میں شعبہ جات کی تفصیل اور ان کے ذمہ داروں کا تعین عمل میں آیا جسکی تفصیل حسب ذیل ہے۔ الحمدللہ سبھوں نے اپنی سرگرمیاں تندہی سے شروع کر دی ہیں۔

شعبہ جات		ذمہ داران
۱۔ طعام		مولانا محبوب عالم فلاحی، مولانا اظہار احمد فلاحی
	معاونین	مشتاق احمد فلاحی، احسن الاثری فلاحی، محمد عظیم فلاحی، ماسٹر شاہنواز بابو
۲۔ روشنی ولاؤڈ اسپیکر	ذمہ دار	ظفر احمد فلاحی
	معاون	جنید احمد
۳۔ مہمان خصوصی	ذمہ دار	مولانا سلامت اللہ صاحب
	معاون	عبدالرحمن خالد فلاحی
۴۔ " " "	ذمہ دار	مطیع اللہ فلاحی
	معاونین	کمال الدین فلاحی، صباح الدین اعظمی فلاحی
۵۔ استقبالیہ	ذمہ دار	محمد عمران خاں فلاحی
	معاونین	مولانا محمد طاہر مدنی، حافظ ارشاد احمد صاحب، فصیح الدین فلاحی
۶۔ جلسہ گاہ	ذمہ دار	عبدالبر اثری فلاحی
	معاونین	جرار احمد فلاحی، امیر فیصل فلاحی، ماسٹر عبدالمالک صاحب، ماسٹر خالد صاحب
۷۔ واچ اینڈ وارڈ	ذمہ دار	ماسٹر سراج احمد صاحب
	معاونین	جاوید سلطان فلاحی، ماسٹر علی اکبر بیگ صاحب، ماسٹر نظام الدین صاحب

۸ - میزس و کتبات	ذمہ دار	ظفر احمد فلاحی
	معاونین	محمد اشفاق عالم فلاحی، عین الحق قاسمی، اسلم خان، عادل عمر
۹ - مدعوین خصوصی	ذمہ داران	عرفان احمد فلاحی، قاری قربان احمد صاحب
۱۰ - آب رسانی	ذمہ دار	امیر الحسن فلاحی
	معاونین	آفتاب رحمانی فلاحی، ذر تاج احمد
۱۱ - اسٹور	ذمہ دار	محمد اسلم خان
	معاون	ماسٹر شکیل احمد صاحب
۱۲ - نشر و اشاعت	ذمہ دار	محمد اسمعیل فلاحی
	معاونین	عبد البر اثری فلاحی، ماسٹر ظفر عالم صاحب
۱۳ - اذان و صلوٰۃ و اسٹیج	ذمہ دار	صباح الدین ملک فلاحی
۱۴ - طبی امداد	" "	ڈاکٹر اسرار احمد صاحب
	معاونین	" ابرار احمد صاحب، ماسٹر منور صاحب
۱۵ - صفائی	ذمہ دار	محمد عمران خان فلاحی
	معاونین	مشتاق احمد فلاحی، حافظ ارشاد احمد صاحب
۱۶ - باغبانی	ذمہ دار	ماسٹر منور صاحب
	معاون	مولانا شبیر احمد صاحب اصلاحی
۱۷ - قیام گاہ فلاحی برادران	ذمہ دار	جمیل احمد فلاحی
	معاون	حافظ ریاض احمد فلاحی
۱۸ - اعلانات	ذمہ دار	جاوید اشرف فلاحی
۱۹ - مالیات	ذمہ دار	نور محمد فلاحی

ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح کی مطبوعات

(۱) دینی مدارس اور ان کے مسائل

قیمت: ۳۰ روپے

اس موضوع کے مختلف گوشوں پر مولانا ابو العرفان ندوی، مولانا حبیب الرحمن عمری، مولانا فاروق خان، مولانا محمد تقی حسن ازہری، مولانا عزیز صاحب (الفلاحی)، مولانا مجیب الرحمن ندوی اور سید حامد سابق وائس چانسلر اے ایم یو علیگڑھ کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو انھوں نے انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کے دو سالہ کنونشن منعقدہ ۱۲، ۱۳ [illegible] میں پیش فرمائے۔

(۲) نقوش و تاثرات

قیمت: ۸ روپے

مولانا جلیل احسن ندویؒ کے اہم مضامین کا دلکش اور خوبصورت مجموعہ

(۳) ساہتیہ پربھا

مرتب: ڈاکٹر کوثر یزدانی ندوی
قیمت: ۱۵ روپے

ثانوی درجات کے لئے اسلامی مزاج کے مطابق تیار کردہ ہندی نصابی کتاب

(۴) ہندی ساہتیہ سمن

(درجہ پنجم، ششم و ہفتم کیلئے سپلیمنٹری بک)

جس میں ہندی قواعد، ہندی شعراء کا تعارف اور دیگر مفید چیزیں جمع کردی گئی ہیں۔ جو بچوں کو ہندی سکھانے کے لئے بڑی مفید ثابت ہوں گی۔ قیمت: ۵ روپے

ملنے کے پتے
ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ (یو پی)
مرکزی مکتبہ اسلامی، چتلی قبر دہلی نمبر ۶